فلسطین اور مسئلہ یہود

"BEAUTY AND THE BEAST"

—— "وہ اسلامی فلسطین عیسائیت کے دو زبردست چنگلوں اور یہودیت کے بتیس دانتوں کے درمیان"

محمود بریلوی

۴۸۹

۹۲

فلسطین

اور

مسئلۂ یہود

از

محمود بریلوی

PALESTINE
&
ZIONISM

BY

MAHMUD BARELVI

مطبوعہ مطبع انوار احمدی الہ آباد

قیمت فی جلد ۱۲/

فہرست مضامین

* عرب اور یہودی دونوں سامی النسل قومیں ہیں۔

** یہودیوں کی وہ تحریک جو فلسطین کو اپنا قومی گھر بنانا چاہتی ہے اور جو فلسطینی عربوں کے لئے غیر مفید ہے۔

محمود بریلوی مصنف
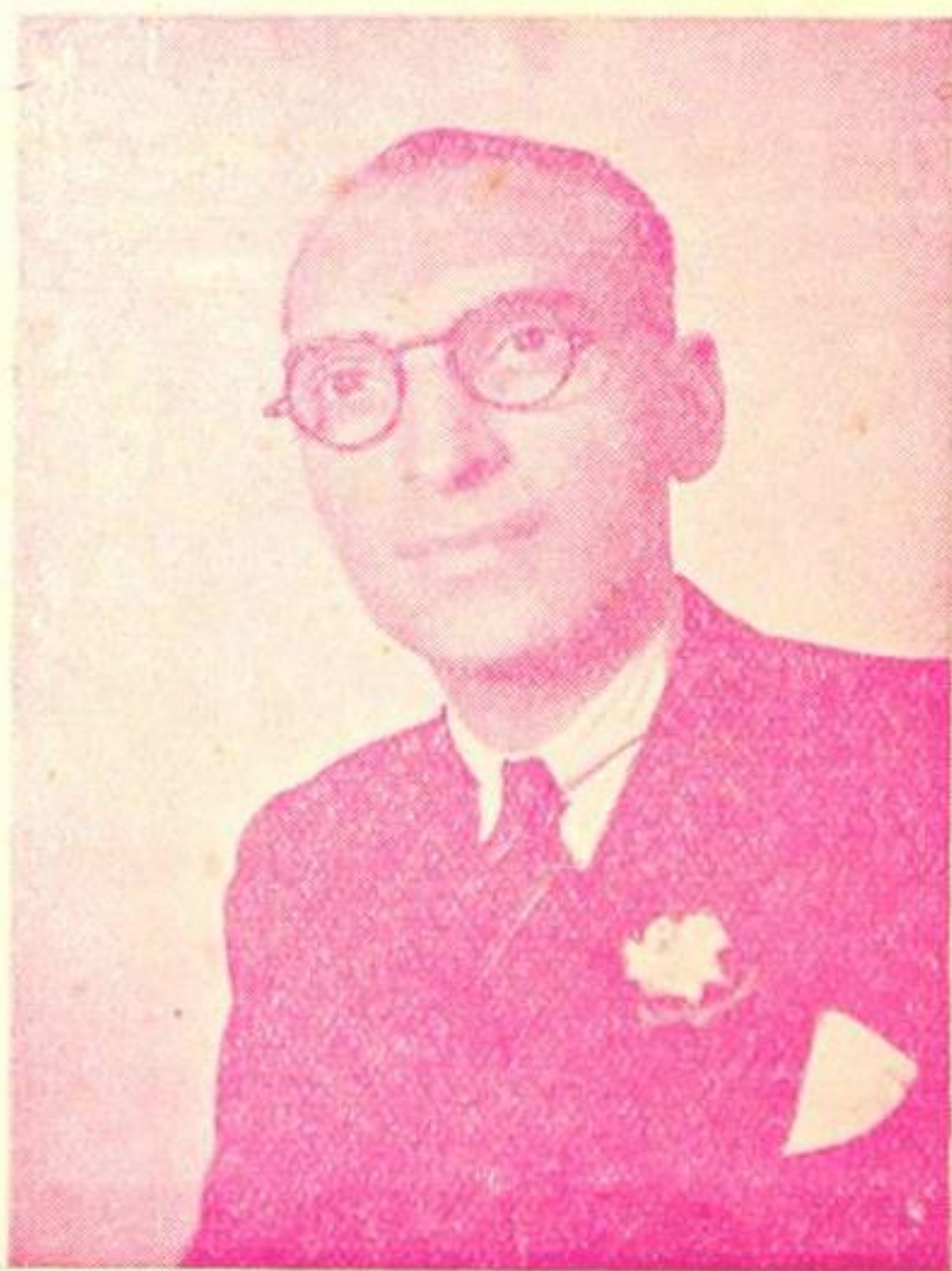
فلسطین(۱)

PALESTINE

فلسطین یا کنعان (CANAAN) کا ملک مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں تینوں کے لئے یکساں طور پر مقدس و محترم ہے۔ اصطلاحاً لفظ فلسطین (PALESTINE) اس فلسطینی (PHILISTINES) قوم سے ماخوذ ہے۔ جو زمانۂ قدیم میں ساحلی علاقہ میں آباد تھی۔ روایتاً یہ نام اس علاقے کے لئے استعمال ہوا ہے، جیسے مقدس توریت میں عبرانیوں کی میراث بتایا گیا ہے، لیکن یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے، حقیقت سے اسے دور کا بھی تعلق نہیں کیونکہ عبرانیوں سے یہ ملک کبھی مستقلاً آباد نہ ہو سکا۔

حدودِ اربعہ شمال میں لبنان (LEBANON) جنوب میں جزیرہ نمائے سینائی (SINAI) مشرق میں شرق اردن (TRANS JORDAN) اور مغرب میں بحر روم (MEDITERRANEAM SEA)۔

رقبہ تقریباً نو ہزار مربع میل۔ طول ۱۴۰ میل اور عرض شمال میں ۲۳ لیکن جنوب میں ۸۰ میل ہے۔

آبادی فلسطینی آبادی مختلف قومی، لسانی و مذہبی عناصر کا مرکب ہے۔ موجودہ صدی کے آغاز میں پیمائش لسانی نے صرف شہر یروشلم

(بیت المقدس) میں پچاس مختلف بولیوں کا وجود ثابت کیا تھا۔

فلسطین کی آبادی دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے:۔خانہ بدوش اور مستقل،۔۔۔فلسطین میں لفظ "عرب" کا اطلاق بیشتر خانہ بدوش بدویوں ہی پر ہوتا ہے ۔ان عرب بدویوں کے علاوہ فلسطین میں ایک اور نہایت آزاد منش خانہ بدوش قوم "نوار" نامی ہے جو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھی جاتی اور جو یورپی ممالک کے خانہ بدوش جپسیوں (GYPSIES) کی اکثر خصوصیات رکھتی ہے ۔یہ بہت مفلس وقلاش قوم ہے اور لوہاری دنجاری وغیرہ کے پیشوں سے بسر اوقات کرتی ہے ۔یہ لوگ ایک قدیم رومی زبان بولتے ہیں جس میں عربی کا بڑا جزو شامل ہے۔

فلسطین کی مستقل آبادی وہ فلاحین یا زراعت پیشہ لوگ ہیں جن میں کسی دوسری قوم کا خون شامل معلوم نہیں ہوتا کیونکہ حفریات نے فلسطینی فلاحین کے جو قدیم انسانی ڈھانچے نمایاں کئے ہیں اُن سے موجودہ فلسطینی فلاحین کے اعضاؤ جوارح بہت ملتے جلتے ہیں۔

بڑے بڑے شہروں کی آبادی زیادہ مخلوط واقع ہوئی ہے ۔ہر شہر او قصبے میں عرب آبادی کا بڑا عنصر شامل ہے اور ممتاز عرب خاندان موجود ہیں۔ مثلاً بیت المقدس میں الخالدی اور الحسینی وغیرہ عرب خاندان بڑے باثر ہیں۔ جو آغازِ اسلام کے مجاہدین کی یادگار ہیں۔

فلسطین میں ترکی عنصر غیر اہم ہے ۔مگر بحر روم کے ساحلی ممالک کی نمائندگی کافی ہے، خصوصاً ارمنی، یونانی اور اطالوی جو زیادہ تر تاجر ہیں۔

فلسطین میں یہودی نو آبادیات کے غیر معمولی احیاء و ارتقاء نے ۱۹۰۸ء سے

...ں کی، خصوصاً بیت المقدس کی، آبادی کا توازن بگاڑ دیا ہے۔

اِن کے سوا دیگر ایشیائی ممالک کی کمتر قومیں یہاں آباد ہیں۔ البتہ جولان میں ...لمانوں کی ایک نوآبادی ہے، کچھ ایرانی بود و باش رکھتے ہیں اور ۱۹۰۵ء سے ...نے میں افغانوں کی ایک اچھی نوآبادی قائم ہو چکی ہے۔ گیلیلی کے شمال و مغرب ...ے اکثر مواضعات میں ایک ایرانی قوم متاولہ کی اکثریت ہے، جو وہاں بستہ ...نے سے آباد ہیں۔ مزید براں خلیج حولے کے قریب کچھ کُرد قبائل ڈیروں ...ر جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ فلسطین کی عیسائی آبادی کا بڑا حصہ ۹۵٪ سب ...ں جو متعدد خانقاہوں میں اقامت رکھتے ہیں۔ سیزار یا پیلسٹینا (CAESARIA PALESTIN...) نامی مقام پر ایک بوسنی (BOSNIAN) نوآبادی ہے اور ...یلی اور شرقی فلسطین کے متعدد مقامات میں وہ سرکیشین (CIRCASSIAN) ...ادیاں ہیں جنہیں ترکی حکومت نے بدویوں کی روک تھام کے لئے آباد کیا ...۔ پہلے بعض بڑے شہروں میں سوڈانیوں اور الجیریا والوں کا کافی عنصر آباد ...ا۔ مگر موجودہ صدی کے آغاز سے اس عنصر میں معتد بہ کمی ہو گئی ہے، حالانکہ ...یلی کے بعض حصوں میں الجیریا والے ہنوز موجود ہیں۔ فلسطین کی غیر عرب ...دی میں دلچسپ ترین نبلوس (NABLUS) کے سمارتین (SAMARITAN) ...ے ہیں جن کی نسل نابید ہوتی جا رہی ہے مگر جنہوں نے اُس زمانہ سے جبکہ ...وریوں (ASSYRIANS) نے انھیں، اسرائیلیوں کی من حیث القوم ...وطنی کے بعد، یہاں بسایا تھا اب تک اپنی آزادی کو قائم رکھا ہے۔

فلسطین کی مجموعی آبادی ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۲ء کے حساب سے قریباً آٹھ لاکھ

تھی، جس میں سے چھ لاکھ مسلمان تھے، تہتر ہزار عیسائی، تراسی ہزار یہودی، سات ہزار دروزی، ڈیڑھ سو سمارٹین اور ڈھائی سو بہائی ۱۹۲۶ء میں مجموعی آبادی تخمیناً نو لاکھ تھی، اور ۱۹۲۹ء میں بھی تقریباً اسی قدر تھی مگر اس میں ایک لاکھ سے اوپر عرب بدوی تھے اور اسی ہزار سے زاید عیسائی یہودیوں کی تعداد بڑھ کر ایک لاکھ پچپن ہزار ہوگئی تھی۔ اُس وقت سے اب تک اِس پندرہ سال کی مُدت میں یہودیوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے اور اب وہ مسلم آبادی کے لگ بھگ پہنچ چکے ہیں۔

صیہونی نو وارد ۱۹۱۹ء سے یہودیوں کی آمد فلسطین میں بیرونی ممالک سے بڑی تعداد میں شروع ہوئی۔ اُس سال اور اُس کے بعد ہی اُن کی تقریباً ساٹھ ہزار کی تعداد فلسطین میں داخل ہوئی۔ جوں جوں یہودی بیرونی ممالک سے آ آ کر فلسطین میں آباد ہونے لگے توں توں مسلمان عرب فلسطین سے ہجرت کر کے ہمسایہ ممالک میں جانے لگے۔ ۱۹۲۷ء میں یہودی حسب ذیل حساب سے فلسطین میں داخل ہوئے:۔

پولینڈ سے ۳۵ فی صدی، روس سے ۲۰ فی صدی اور رومانیا سے ۸ فیصدی صرف اِس ایک سال ۱۹۲۷ء میں تقریباً تین ہزار یہودی فلسطین میں داخل ہوئے اور تقریباً ۵ ہزار مسلمان فلسطین سے ہجرت کر کے باہر گئے۔ ۱۹۳۱ء میں ۴ ہزار سے زائد یہودی فلسطین میں باہر سے آئے۔ ۱۹۳۲ء میں ساڑھے نو ہزار اور ۱۹۳۳ء میں گیارہ ہزار تین سو۔ ۱۹۳۳ء کی یہ تعداد ابتدائی ششماہی کی ہے۔ غیر سرکاری تخمینہ کے مطابق ۱۹۳۳ء کی دوسری ششماہی میں

ں سے زیادہ تعداد یہودیوں کی باہر سے آکر فلسطین میں آباد ہوئی۔ صرف
یک ملک پولینڈ سے ۱۹۳۲ء میں تین ہزار اور ۱۹۳۳ء کی پہلی ششماہی
ں سوا چار ہزار یہودی فلسطین آئے۔ دس سال کے اندر ڈیڑھ لاکھ سے
ائد یہودی باہر سے آکر فلسطین میں داخل ہوئے اور ایک لاکھ سے زائد مسلمان
رب فلسطین چھوڑ گئے۔

فلسطین میں سب سے بڑا شہر بیت المقدس (یروشلم) ہے جس کی آبادی
یک لاکھ سے اوپر تھی۔ پندرہ ہزار سے زائد آبادی والے قصبات یافہ، گازا،
صفید، نبلوس، کیراک، ہیبرون، السلط، وقہ اور ننزانیتھ ہیں۔

آب وہوا فلسطین منطقۂ حارہ میں داخل ہے، جہاں دن کی لمبائی دس سے چودہ گھنٹہ تک
ہوتی ہے۔ سالانہ حرارت کا اوسط ۷۰ ڈگری ہے۔ بارش تقریباً ۲۸ انچ سالانہ ہوتی ہے۔

زبانیں انگریزی، عربی اور عبرانی سرکاری زبانیں ہیں۔

مذاہب اسلام، یہودیت، عیسائیت، دروزی (DRUSES) مذہب،
سمارتین (SAMARITAN) اور بہائی مذہب وغیرہ۔

حکومت جنرل ایلنبی (Gen. ALLENBY) نے فلسطین پر ۱۹۱۸ء میں
قبضہ کیا۔ اُس وقت سے آج تک یہ ملک برطانی نظم ونسق کے
تحت ہے۔ نظم حکومت درجہ اول کے انتداب (MANDATE) کے ماتحت
قائم ہے جسے مجلس اقوام نے برطانیہ کو ۲۹ ستمبر ۱۹۲۳ء کو سونپا تھا۔

ملک انتظامی حیثیت سے دو اضلاع میں منقسم ہے:۔
جنوبی = یروشلم (القدس) شمالی = حیفہ

فلسطین کا ہائی کمشنر حکومت کا حاکم اعلیٰ ہے اور مجلس قانون ساز بھی موجود ہے یروشلم ملک کا پایۂ تخت اور حکومت کا صدر مقام ہے۔

تاریخ

قدیم تاریخ

ملک فلسطین کا محل وقوع کچھ اس طرح کا ہے کہ یہ ایک آزاد، خود مختار وطاقتور ملک بننے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ یہ کبھی کسی واحد قوم کے تصرف میں نہیں رہا اور نہ شاید رہ سکے گا۔ اس کا محل وقوع ہی اس کی تاریخ کا ذمہ دار ہے۔

فلسطین ملک عرب اور مصر کے دروازوں پر واقع ہے۔ عہد قدیم میں یہ مشہور پرانی تہذیبوں سے محصور تھا، یعنی بابلی (BABYLONIAN) اشوری (ASSYRIAN)، جنوبی عربی، مصری، ایشائے کوچک (ASIA MINOR) کی حطاطی (HITTITE) اور اقوام ایجین (AEGEAN PEOPLES) کی قدیم تہذیب وغیرہ وغیرہ۔

جدید سائنٹفک تحقیقات نے جنہوں نے متعدد قدیم گم گشتہ زبانوں کو دور حاضر میں لا کھڑا کیا ہے، اُن عقاید کو جھٹلا دیا ہے جنکی بنیاد توریت وزبور کی محرف ونام نہاد روایات پر قایم تھی۔

اس میں یقیناً شک کی گنجائش نہیں کہ فلسطین کا تاریخی زمانہ چار ہزار سال سے اوپر ہوگا۔ زمانہ قبل از تاریخ کے قدیم فلسطینی باشندوں کے متعلق بھی ماہرین عمرانیات نے تحقیقی شواہد مہیا کئے ہیں۔ البتہ اُس زمانے کا محقق کرنا نہایت

نقشہ فلسطین قدیم
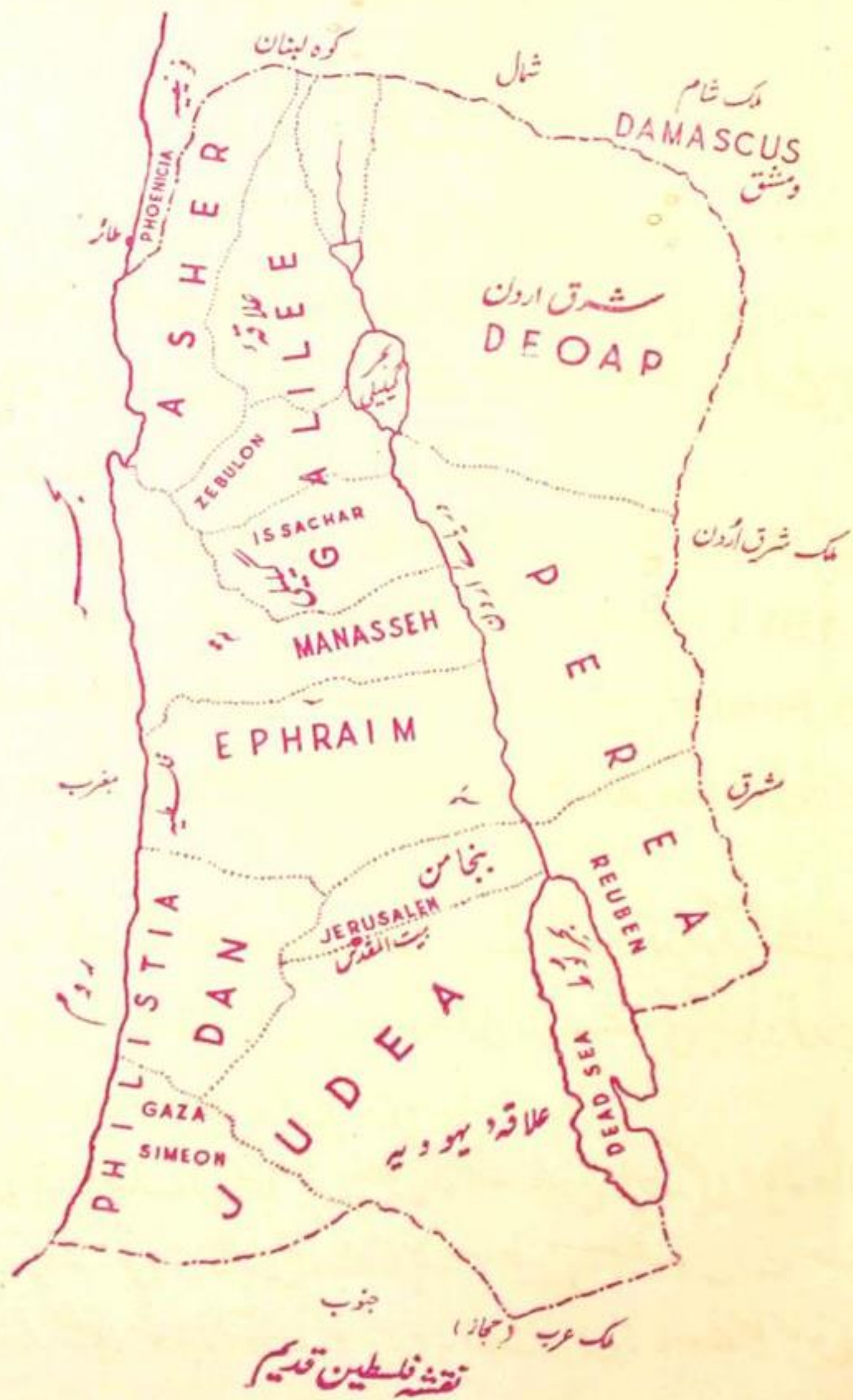
دشوار ہو گیا ہے۔ جب سے کہ فلسطین سامی ملک بنا اور جو آج تک بدستور سامی ہے۔ مگر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سن عیسوی کے آغاز سے پیشتر بابلی، مصری اور اقریطشی (CRETE) تہذیبیں اپنے بام عروج پر پہونچی ہوئی تھیں اور کہ فلسطین اُس عہد کی رفتارِ ترقی کے معاملے میں اپنی اِن ہمسایہ تہذیبوں اور ثقافتوں کے دوش بدوش تھا۔

فلسطین اور شام پر مصری تسلّط کا آغاز ہکسوس (HYKSOS) کے زمانے (تقریباً ۱۶۰۰ سال قبل مسیح) سے ہوا۔ اس کے بعد "عہدِ امرنا" شروع ہوا۔ جبکہ فلسطین صدیوں تک بابلی اور اشوری تاریخ و ثقافت سے متاثر ہوتا رہا۔ اُس زمانے میں جبکہ بڑی بڑی بیرونی طاقتور سلطنتیں فلسطین پر مسلّط رہنے کے لئے باقی نہ رہیں، خود فلسطین میں عبرانی بادشاہت طاقت پکڑ گئی اور اڑوس پڑوس کی حکومتوں کے مقابلے میں زیادہ پُر زور ہو گئی۔ یہ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح کی بات ہے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ عبرانی بادشاہت دو مختلف و باہمدگر رقیب حکومتوں، یہودیہ اور اسرائیلیہ نامی، میں منقسم ہو گئی۔ ازاں بعد اسرائیلی عُمری نسل کا دَور آیا جو پچاس سال کے لگ بھگ قائم رہا۔ یہ نسل فونیقیوں (PHOENICIANS) کی ہمعصر تھی۔ فونیقیہ، اسرائیلیہ اور یہودیہ کے شاہی خاندان باہمدگر شادی بیاہوں کے سلسلے میں مربوط تھے۔ اِس دوران میں اشوریہ کی سلطنت نے بتدریج مغرب کی جانب اپنے اثرات وسیع کرنے شروع کئے، جس کی مخالفت قدیم حطاطی بادشاہت کے نام لیواؤں نے متحد ہو کر کی، مگر یہ کوشش ناکام رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اشوریہ کی سلطنت نے

آٹھویں صدی ق م میں فلسطین کو اپنے زیر نگیں کر لیا۔

ساتویں صدی ق م میں فلسطین مصری سلطنت کے ماتحت آگیا۔ لیکن اب بابلی [یا کلدانی CHALDEAN] سلطنت اشوری حکومت کا خاتمہ کر کے فلسطین پر قابض ہونے کے لئے مصر سے چشمک زنی کر رہی تھی۔ نتیجتاً چھٹی صدی ق م میں مصر کا تسلط ختم ہو گیا اور فلسطین سلطنتِ بابل کے زیر اثر آگیا۔ اُس وقت فلسطین میں متعدد دیوی دیوتاؤں کی پرستش کے علاوہ عبرانیوں (یہودیوں) کا خدا خداوند یہواہ کہلاتا تھا، جسے خود یہودی بطور اظہارِ تقدس اپنی زبان میں "ادونی" "ایلوہیم" کہتے تھے۔

اُن صدیوں میں پے در پے ایسے حالات رونما ہوئے جن کے باعث فلسطین، مصری، حطاطی، بابلی، اور اشوری تسلط سے آزاد ہو کر یونانی اور رومی تسلط میں آپہنچا۔ ساتویں اور پانچویں صدی ق م کے درمیان حکومت یہودیہ اور سماریہ کے مابین تنازعات پیدا ہوئے اور چنانچہ یہ سیاسی تبدیلی اِسی زمانے میں ہوئی۔ اِن صدیوں کے حالات کے بیان سے یہودی مؤرخین نے قصداً اغماض و احتراز کیا ہے کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ یہودیت پر ربیوں کا غلبہ ہوا اور نصرانیت کے آغاز کا زمانہ قریب آگیا۔

مقدس توریت اصلاً ایک فلسطینی چیز ہے۔ اُسی کے ذریعے سے یہ امر آشکار ہوا کہ قدیم باشندگانِ فلسطین متعدد مقامی دیوی دیوتاؤں کی پرستش کیا کرتے تھے، جس میں نفسانیت و شہوانیت کا بہت غلبہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں نے اُن کی ناگفتہ بہ حالت کی سخت مذمت کی اور اُن کی اس حالت کی درستی

کی سعی کی - عہد قدیم میں یروشلم اور اُس کے ہمسایہ اضلاع میں بُت پرستی خصوصیت سے زوروں پر تھی اور حرام کاری وشہوت رانی کا دور دورہ تھا - منادر و معابد پیشتر ہی سے بڑی تعداد میں وہاں موجود تھے اور روایت ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس کی بُنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے جدید روحانی مذہب کے آغاز و احیا کے لئے رکھی تھی اور حضرت داؤدؑ کے ایما کو پورا کیا تھا - مگر اس کے اندر عبادت گاہ نے بُت پرستی کے آثار کو دور رہ کیا اور عہدِ اصنامیات کے نقوش میٹ نہ سکے - یہ گویا قدیم یروشلم والے کلدانی اشوری، حطاطی اور بابلی و مصری خرافیات کے باقیات السیّئات تھے - خداوند یہواہ کی عظمت کے اظہار کے لئے چھوٹے چھوٹے یہودی خدا موجود تھے یہیں سے یہودیت و نصرانیت اور توریت وانجیل کا تصادم شروع ہوتا ہے -

تیسرے دیہودیہ (JUDEA) حکومتوں کا زوال ادبی وسیاسی تباہی کا پیش خیمہ تھا - توریت میں کلدانی و ایرانی اثرات کی نسبت فلسطین پر اشوری و بابلی تسلط کا زیادہ بیان ہے جو استعارات و اشارات کی شکل میں مذکور ہوا ہے - پانچ ہزار سال قبل مسیح کے بعد سے باقاعدہ تاریخ کا اندراج ہوا - جبکہ زبردست مصری، ایجین (AEGEAN) اور بابلی ثقافتیں فلسطین کے گرد ترقی کر رہی تھیں - تقریباً دو ہزار پانچ سو سال اور ایک ہزار پانچ سو سال قبل مسیح کے درمیان یہ مہذب سلطنتیں اپنے بام عروج پر پہنچ چکی تھیں جس کے بعد ان کا زوال شروع ہوا - اب ہم قریباً پانچ سو سال قبل مسیح کے زمانے میں واپس آتے ہیں جبکہ دُنیا میں الٰہی ایسی زبردست شخصیتیں پیدا

ہوئیں جنھوں نے دنیائے انسانیت میں انقلابات سے تہلکہ ڈال دیا۔
اور نئے نئے عالمگیر مذاہب وعقائد کی بنا ڈالی۔ یہ شخصیتیں سائرس (CYRUS)
زرتشت (ZOROASTER) گوتم بدھ (BUDDHA) حکیم کنفوشیس،
(CONFUCIUS) فوسی لائڈس (PHOCYLIDES) اور حکیم سُقراط
(SOCRATES) کی تھیں۔ یہ زمانہ دوسری مصری شاہی نسل [تقریباً تین ہزار
سال ق م] اور موجودہ عہد کے وسط میں سمجھنا چاہیئے جبکہ عہد عتیق کی
ایشیائی سلطنتیں [کلدانی، مصری، حطاطی، اشوری، فونیقی اور بابلی وغیرہ] مٹتی
جارہی تھیں اور اُن کی جگہ جدید ایرانی، یونانی اور رومی سلطنتیں قایم ہورہی
تھیں۔ اُس عہد میں بابل اور مصر نے ضرور سنبھالا لیا تھا مگر وہ بھی بے اثر تھا۔
فلسطین میں البتہ اس عظیم الشان سیاسی تبدیلی کا حیرت انگیز اثر ہوا۔

فلسطین عہدِ وسطیٰ میں طائر (TYRE) فتح کرنے کے بعد سکندر اعظم
نے مصر کو اپنے زیر نگیں کیا پھر شام و فلسطین پر قبضہ کر لیا۔
عمارتین (SAMARITAN) قوم نے سکندر کی اطاعت قبول کر لی، مگر
یہودی اپنی روایتی سرکشی پر قائم رہے۔ پھر بھی جب سکندر نے یروشلم کی سیر
کی تو اُس نے یہودیوں کے سب سے بڑے مذہبی رہنما کے آگے سرِتسلیم خم
کیا، یہودی معبد میں اپنی قربانی شرع موسوی کے مطابق پیش کی اور
یہودیوں کو اپنے شعائر دین پر عمل کرنے کی اجازت دی۔ سکندر اعظم کی وفات
[۳۲۳ سال قبل مسیح] کے بعد بطلیموس لیگی شاہِ مصر کا مقابلہ یہودیوں نے کیا
اور چنانچہ یروشلم پر ۳۰۱ سال ق م میں مصریوں کا قبضہ ہوگیا۔ اور ۱۲۳ سال

ق م ہی سے سلوسی (SELEUCID) حکومت کا زمانہ شروع ہوا اور صحیفۂ دانیال کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ "بطلیموس مصر پر اُسی کا ماتحت سیلوکس (SELEUCUS) غالب آئے گا اور فرمانروائی کرے گا۔"

سیلوکس (SELEUCUS) نے بطلیموس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ بطلیموس واپس مصر چلا گیا اور فلسطین کی حکومت دس سال کے لئے انتی گونس (ANTIGONUS) کے سپرد کر گیا۔ ۳۰۲ سال ق م میں اُس نے سلیوکس (SELEUCUS) لسی میکس (LISIMACHUS) اور کسندر (CASSANDER) کے ساتھ معاہدۂ اتحاد کیا اور تمام ملک شام پر متصرف ہو گیا۔ ۳۰۱ سال ق م سے ۱۹۸ سال ق م تک فلسطین بطلیموسیوں (PTOLEMIES) کے قبضے میں رہا۔ ۲۴۹ سال ق م میں مصر اور سلوسی طاقت کے درمیان زور آزمائی عارضی طور پر ملتوی ہو گئی۔

۲۲۳ سال ق م میں انطاکیس اعظم سوئم سلوسی سلطنت کا فرمانروا ہوا۔ اُس نے مختلف اطراف میں متعدد ممالک تسخیر کیۓ اور ۲۰۵ سال ق م میں مصریوں کو شکست دے کر فلسطین پر قابض ہو گیا۔ فلسطین کے بعد انطاکیس ایشیائے کوچک کے یونانی شہروں کی طرف متوجہ ہوا اور ۱۹۶ سال ق م میں صوبہ تھریس (THRACE) میں داخل ہوا۔ ہنی بال (HANIBAL) بھی انطاکیس کا شریک ہو گیا۔ اب انطاکیس یونان پر حملہ آور ہوا اور ۱۹۱ سال ق م میں روم نے اُس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ انطاکیس کو شکست ہوئی۔ پہلے وہ یونان چھوڑنے پر مجبور ہوا اور پھر کل ایشیائے کوچک سے نکل گیا۔ صلح نامۂ اپامیہ

(APAMEA) کی رو سے، جو ۱۸۸ اسال ق م میں کیا گیا تھا، انطاکیس اعظم سوم
(ANTIOCHUS III THE GREAT) کو اپنا تمام مفتوحہ علاقہ تورس (TAURUS)
تک چھوڑنا پڑا۔ اُس نے کئی مندر لوٹے، مگر پھر ایک حادثہ سے خود فوت ہو گیا۔
اُس کے جانشین سلوکس چہارم [SELEUCUS IV زمانۂ حکومت از ۱۸۷ اسال
ق م تا ۱۷۵ اسال ق م] نے یروشلم کے اندر اور اُس کے حوالی میں مُتعدد مندر
لوٹ کر تباہ کیئے۔ اس کے بعد سلوکس کے تخت پر انطاکیس چہارم ایپی فین
(ANTIOCHUS IV EPIPHANES) [۱۷۵ تا ۱۶۴ اسال ق م] بیٹھا۔ شروع
شروع میں مصر اس فرماں روا کا ہمنوا تھا کیونکہ اُس کی سوتیلی بہن قلوپطرہ
(CALEOPATRA) [جس سے اُس کی شادی ہوئی تھی] اُس وقت مصر کی
مالکہ تھی۔ لیکن قلوپطرہ ۱۷۳ اسال ق م میں فوت ہو گئی اور فلسطین کے
قبضہ کے لئے پھر رسہ کشی شروع ہو گئی۔ یہ جنگ و جدل ۱۷۰ اسال ق م سے
از سر نو جاری ہوئی۔ انطاکیس نے مصری افواج اور نئے مصری بادشاہ
بطلیموس فلومیٹر (PTOLEMY PHILOMETER) کو شکست فاش
دی اور مصری بادشاہ سمندر کی راہ سے جان بچا کر بھاگا۔ اس کے بعد انطاکیس
نے اسکندریہ (ALEXANDRIA) پر حملہ کیا اور مصر پر قابض ہو گیا۔ مگر
رومیوں کے دباؤ کے باعث اسے مصر سے دست بردار ہونا پڑا۔ انطاکیس نے
یروشلم کے اندر مقدس معبد کو ۱۶۸ اسال ق م میں لوٹا، حرم کو ناپاک کیا،
شریعِ موسوی کو مٹایا، خداوند یہواہ کی جگہ یونانی زیس (ZEUS OLYPIUS)
دیوتا کی عبادت رائج کی، خنزیر قربانی کیئے گئے اور شاہی فرمان کے ذریعہ

سے یہودیت کے اعمال ممنوع کر دیئے گئے۔ لیکن ۱۶۳ سال ق م میں۔ یہودیوں نے بغاوت کر دی اور یروشلم کو آزاد کرا لیا۔

اس کے بعد فلسطین پر کئی سیاسی دور گذرے۔ تقریباً ایک صدی تک یہودیوں نے یروشلم پر حکومت کی۔ ہر چند کہ یہ حکومت مسلسل نہ رہی۔ اپنی اس حکومت کے دوران میں یہودیوں نے غیر یہودی اقوام پر بڑے بڑے مظالم کئے۔ آخر کار ۶۳ سال ق م میں شہنشاہ روم پامپی (POMPEY) نے یروشلم فتح کر لیا اور مقدس یہودی معابد کے اندر قتل عام کیا گیا۔ اس طرح فلسطین جدید رومی صوبہ شام میں شامل کر دیا گیا۔ ۶۱ سال ق م میں شہنشاہ پامپی نے افریقہ، یورپ اور ایشیا پر اپنی فتوحات کا جشن منایا اور اس سلسلے میں قیدیوں میں یہودی شاہِ جودیہ (JUDEA) ارسطوبولس (ARISTOBULUS) نامی بھی تھا۔ اس اثناء میں پارتھین (PARTHIAN) عساکر نے یروشلم پر قبضہ کر لیا اور فلسطین کے ایک حصہ کو اپنے زیرِ نگیں کر لیا۔ مگر یہ تسلط عارضی ثابت ہوا۔ کیونکہ سنہء میں رومی شہنشاہ ہیڈرین (HADRIAN) کی افواج نے یروشلم کو بالکل تباہ کر دیا اور جب یہودیوں نے بغاوت کی تو شاہی حکم سے تباہ شدہ یروشلم میں اُن کا داخلہ بھی ممنوع کر دیا گیا۔

جدید تاریخ اس وقت تک کہ یروشلم رومیوں کے ہاتھوں تباہ ہوا اور یہودیوں کو یروشلم سے ہمیشہ مستقلاً خارج کر دیا گیا۔ یروشلم یہودی قوم کا مذہبی وسیاسی مرکز رہا تھا۔ اس حادثہ کے بعد پہلے تو فاتح رومیوں نے مفتوح یہودی قوم کے ساتھ نرمی اور رعایت کا برتاؤ کیا تاکہ وہ اطاعت قبول کر لیں اور

امن سے زندگی بسر کریں جیساکہ دیگر مفتوح اقوام نے کیا تھا۔لیکن یہودیوں
نے اِس نرمی درعایت سے ناجائز فائدہ اُٹھایا، اپنی قوم کو اپنے مذہبی رہنماؤں
کے ماتحت متحد کیا اور مسلسل بغاوتیں شروع کردیں۔ آخرکار شہنشاہ ہیڈرین نے
یہودی قوم کی مکمل بیخ کنی کا تہیہ کرلیا۔ اُس نے اپنے شاہی فرمان سے توریت
کی تلاوت، سبت کی ادائیگی اور ختنہ کی رسم وغیرہ یہودی مذہبی اعمال ممنوع
کردئے اور تباہ شدہ شہر یروشلم کو ایک رومی نوآبادی بنالینے کے درپے ہوگیا۔
اِن واقعات کے نتیجہ کے طور پر یہودی قوم کی مشہور تاریخی بغاوت بارکوچے باز
(BAR-COGHE BAS) [۱۳۲-۱۳۵ء] کے ماتحت شروع ہوئی۔ اِس شخص کی
ابتدائی زندگی اور اُس کے طاقت وقوت حاصل کرنے کے وجوہ سے تاریخ
بیخبر ہے۔ اُس زمانے کے سب سے زیادہ بااثر یہودی، مشہور ربّی عقبہ نے
اسے مسیح موعود تسلیم کیا، چنانچہ دو لاکھ باغیوں کا جمّ غفیر اُس کے جھنڈے
کے نیچے جمع ہوگیا۔ بیت المقدس اور متعدد دوسرے مقامات باغیوں نے
فتح کرلیے۔ آخرکار شہنشاہ ہیڈرین (HADRIAN) نے اپنے مشہور
رومی جنرل جولیس سیورس (JULIUS SEURES) کو بغاوت فرو کرنے
کے لیے بھیجا۔ رومیوں نے یروشلم پر دوبارہ قبضہ کرلیا، بارکوچے باز مارا
گیا۔ باغی بھاگے، مگر ہر جگہ قتل ہوئے۔ لاکھوں تلوار کی گھاٹ اُتر گئے اور
بے شمار گرفتار ہوئے۔ اسی لیے بیت المقدس کے نزدیک قلعہ بیتھر (BETEER) کو
یہودی "تربت الیہود" کہتے ہیں۔ انتقاماً شہنشاہ ہیڈرین نے بیت المقدس کو
ایک رومی نوآبادی کی شکل میں منتقل کردیا، اور اس کا نام بدل کر ایلیا کیپی ٹولینا

(AELIA CAPITOLINA) رکھا گیا۔ جہاں خاص یہودی معبد کی جگہ جیوپیٹر (JUPITER) کا مندر تعمیر کیا گیا اور مقدس حرم میں عشق و ہوس کی دیوی وینس (VENUS) کا بت نصب کیا گیا۔ یہودیوں کو حکم ہو گیا کہ اگر وہ بیت المقدس کی شہر پناہ کے سامنے بھی نظر آئیں گے تو قتل کر دیئے جائیں گے۔

ایسی ذلت آمیز شکست اور ایسی توہین انگیز جلاوطنی نے یہودیوں کی فلسطین میں قومی آزادی کے تصور کو مٹا دیا۔ یہ واقعات ۱۳۵ء میں رونما ہوئے۔ اس کے بعد سے صوبہ گیلیلی (GALILEE) کے مختلف مقامات پر یہودیوں نے مکاتیب کھول لئے، جہاں مذہبی تعلیم و قومی تنظیم ہونے لگی، اب فلسطین براہ راست رومی حکومت کے ماتحت تھا۔

اس کے بعد جب شہنشاہ قسطنطین (CONSTANTINE) نے عیسائی مذہب قبول کیا تو گویا فلسطین میں یہودیوں پر دوبارہ مصیبت آئی اور عیسائیوں کے ہاتھ سے ان پر تازہ مصیبت کا باب وا ہوا، مگر زیادہ مظالم نہ ہونے پائے تھے کہ شہنشاہ مذکور کا انتقال ہو گیا۔ قسطنطین کے بعد بازنطینی سلطنت کے تخت پر شہنشاہ جولین (JULLIAN) بیٹھا۔ اس نے نصرانیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک دیا۔ نصرانی احکام منسوخ کر دیئے اور یہودیوں پر سے نامناسب قوانین موقوف کر دیئے گئے چنانچہ ۳۶۱ء سے قوم یہود کو بیت المقدس میں داخل کی پھر اجازت مل گئی۔

۳۹۵ء میں رومی سلطنت دو حصوں (مغربی و مشرقی) میں تقسیم کی گئی۔ فلسطین فطری طور پر شہنشاہ بازنطین کے حصے میں آیا۔ اس زمانے سے لیکر

مزید دو صدیوں تک فلسطین میں نسبتاً سکون رہا۔ ملک برائے نام عیسائی تھا۔ اور یہودیوں پر گاہے ماہے شدائد ہوتے رہتے تھے شہنشاہ قسطنطنیہ جسٹنین (JUSTINIAN) [از ۵۲۷ء تا ۵۶۵ء] نے بیت المقدس کی مقدس عمارات از سرِ نو تعمیر کرائیں۔ اُسی نے وہ گرجا تعمیر کرایا تھا جو اب مسجد الاقصیٰ کی صورت میں موجود ہے۔

۶۱۱ء میں شاہ ایران کیخسرو دوم نے ملک شام (SYRIA) پر حملہ کیا یہودیوں نے عیسائیوں سے انتقام لینے کے لئے اُس کا ساتھ دیا خسرو نے تمام ملک کو زیر و زبر کر ڈالا، وہ جہاں گیا تباہی و بربادی چھوڑتا گیا۔ نصرانی خانقاہیں مسمار کر دی گئیں، گرجے ڈھائے گئے، شہر جلا ڈالے گئے۔ یروشلم تسخیر ہوا۔ اس کے اندر کی تمام مقدس عمارات سطح زمین کے برابر کر دی گئیں۔ اور تمام قیمتی اشیاء لوٹ لی گئیں۔ بیت المقدس کا اسقف اعظم گرفتار ہوا۔ شہر کے دروازے پر بطور یادگار فتح ایک لاکھ عیسائی قتل کئے گئے۔ اِس طرح کچھ عرصے کے لئے ممالک شام و فلسطین نصرانی بازنطینی سلطنت قسطنطنیہ کے تسلّط سے نکل گئے۔

مگر ۶۲۹ء میں شہنشاہ ہرقل (HERACLIUS) نے دوبارہ ان مقامات کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ مگر یہ کامیابی نہایت عارضی ثابت ہوئی۔ کیونکہ ایرانیوں سے بھی زیادہ خطرناک دشمن تیار ہو رہا تھا، جس نے شام و فلسطین کو مستقلاً عیسائی بازنطینی حکومت کے ہاتھوں سے چھین لیا۔

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق علیہ الرحمہ نے ہرقل کی افواج کو شکست دی۔ جب ۶۳۴ء میں اُن کا وصال ہوگیا تو خلیفۂ دوئم حضرت عمر فاروق رضؓ نے دمشق اور اُس کے ساتھ متعدد فلسطینی و شامی شہر فتح کر لئے۔ آخر کار ۶۳۶ء میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک معرکتہ الآرا جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور عیسائی بازنطینی حکومت ہمیشہ کے لئے ان مقامات سے رخصت ہوگئی۔ اس فتح کے فوراً بعد ہی بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ مسلمانوں نے بیت المقدس میں داخل ہوکر کسی جذباتی انتقامی تشدد کو روا نہ رکھا۔ رسول اکرم کے فتح مکہ والا عمل دُھرایا گیا اور حضرت عمرؓ اور عیسائی اسقفِ اعظم سفرونیس (SOPHRONIUS) کے مابین صلحنامہ ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس مقدس چٹان کی زیارت کی جو حضرت داوٗدؑ کی عبادت گاہ تھی اور یہودیوں کا مقدس ترین مقام تھا۔ یہودیوں کے ہوتے ہوئے نصرانیوں نے اُس پر غلاظت پھیلا رکھی تھی۔ حضرت عمرؓ اور اُن کے ساتھیوں نے اپنے پاک ہاتھوں سے اِس مقدس جگہ کو صاف ستھرا کیا اور وہاں نماز ادا کی۔ اُسی سے نے سجدۂ شکرانہ کے طور پر وہاں مسجد عمرؓ تعمیر کی گئی۔

پہلے اُموی خلیفہ، امیر معاویہ، نے اپنا دارالحکومت ۶۶۱ء میں مکہ شریف سے دمشق (شام) (DAMASCUS) کو منتقل کر دیا۔ اور ۷۵۰ء میں عباسی خلفاء نے اس دارالخلافت کو وہاں سے بغداد (عراق) کو منتقل کر دیا۔ ۶۸۴ء میں خلیفہ عبدالملک نے بیت المقدس کی عمارات کو

درست کرایا۔ نئی عمارات تعمیر کرائیں۔ شہر کو ہر حیثیت سے خوبصورت بنایا۔ اور وہ قبہ بنوایا جو آج دُنیا کی سب سے خوبصورت عمارات میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔ ۸۳۱ء میں مسلمانوں نے بیت المقدس کے اندر عیسائیوں کے مقدس ترین مقام کو واپس کر دیا تھا لیکن اس کے ایک صدی کے بعد یہ عظیم الشان مقدس نصرانی معبد وخانقاہ قرامطہ کے ہاتھ سے پھر مسمار کر دی گئی جنھوں نے بیت المقدس کے ساتھ ۹۲۹ء میں مکہ شریف کو بھی لوٹ لیا تھا۔

متذکرہ صدر واقعہ کے بعد مسلمان بڑی تعداد میں باہر سے آکر بیت المقدس میں آباد ہو گئے۔ ۹۳۶ء میں فاطمی خلفاء کے ماتحت مصر نے اپنی آزادی و خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اور ۹۹۶ء میں خلیفہ حاکم بامر اللہ تخت مصر پر متمکن ہوا۔ اس شخص نے بیت المقدس کے قابل احترام معابد کو مسمار کر ڈالا، خود کو دُنیا میں خدا کا مظہر مشہور کیا۔ اور اپنے اس جدید گمراہ کن مذہب کی تبلیغ دو ایرانیوں درازی اور حمزہ بن علی کے ذریعہ سے صوبہ لبنان (LEBANON) میں کرائی جہاں کوہستانی مسلمان دروزی، (DRUSES) فرقہ ابتک اُسے انسان کے جامے میں خدا باور کرتا ہے۔

۱۰۷۶ء تک فلسطین و شام۔ عباسی و فاطمی خلفاء کی جنگ آزمائیوں کا میدان بنے رہے۔ حتیٰ کہ ملک خراسان سے سلجوقی ترکمان یہاں حملہ آور ہوئے۔ اُن کے میر عسکر عزیز نے فلسطین و شام پر یلغار کی اور بیت المقدس

اور دمشق پر قبضہ کرلیا۔ پھر وہ مصر کی طرف بڑھے، تاکہ فاطمی خلافت کا خاتمہ کر دیں مگر مصریوں نے انھیں شکست دی، اور اُن کے ہاتھ سے شام اور فلسطین کے علاقے چھین لیے۔

پیٹر دی ہرمٹ (PETER THE HERMIT) جو پکارڈی (PICARDY) کا باشندہ تھا اور کسی زمانے میں فوجی سپاہی رہا تھا، ۱۰۹۳ء میں بیت المقدس کی زیارت کو گیا اور وہاں سے واپسی پر یورپ میں اُس نے بیت المقدس اور فلسطین کو "کافر" مسلمانوں سے آزاد کرانے کا پروپگنڈا شروع کیا۔ عیسائی مذہبی دنیا، یورپی حکومتوں اور نصرانی عوام نے اُس کی آواز پر لبیک کہا اور پیٹر کی سرداری میں ۱۰۹۶ء میں ایک فرانسیسی فوج فلسطین روانہ ہوئی۔ یہ فلسطین و بیت المقدس کے قبضہ کے لئے مسلمانوں کے خلاف پہلی صلیبی جنگ تھی۔ جولائی ۱۰۹۹ء میں عیسائیوں نے یروشلم فتح کرلیا اور بولون (BOULOGNE) کا گاڈفرے (GODFREY) بیت المقدس کا بادشاہ بنایا گیا۔

اس طرح بیت المقدس کی لاطینی بادشاہت کی بنیاد پڑی۔ اِس بادشاہت کی تاریخ نہایت افسوسناک و عبرت انگیز ہے۔ اس کے ماتحت بیت المقدس میں مذہب عیسائیت کی آڑ میں نہایت شرمناک اعمال کا ارتکاب کیا گیا اور رعایا پر ظلم و تشدد کی حد نہ رہی۔ اٹھاسی سال تک اس عیسائی حکومت میں بیت المقدس و فلسطین متواتر عیاشی و حرامکاری، ظلم و استبداد، بدامنی و افراتفری کے آماجگاہ بنے رہے۔ اور پھر یہ سلطنت اُسی سُرعت کے ساتھ مٹ گئی جس تیزی کے ساتھ یہ قائم ہوئی تھی اور اپنے بعد سوائے برباد شدہ "قلعوں"، کیتھولک گرجاؤں اور

عیسائیت کے خلاف دیسی رعایا کے دلوں میں جذباتِ نفرت و عداوت کے کوئی پتھر یادگار نہ چھوڑ گئی۔

۱۱۴۷ء میں فرانس اور جرمنی کے بادشاہوں کے ماتحت دوسری صلیبی جنگ کی عیسائی عساکر فلسطین پہنچیں۔ وہ نور الدین، شمالی شام کے فرمانروا، کے مقابلے میں تو چنداں سرسبز نہ ہو سکیں کیونکہ روحہ (EDESSE) کے مقام پر ان فرانسیسی و جرمنی افواج نے عربوں کے ہاتھ سے شکست کھائی، لیکن بیت المقدس کی زوال پذیر لاطینی حکومت کی برائے چندے ضرور تقویت کا باعث ہوئیں۔

۱۱۷۳ء میں نور الدین فوت ہو گیا اور اُس کی سلطنت کی باگ ڈور صلاح الدین اعظم کے ہاتھ میں آئی، جو کُردی نسل سے تعلق رکھتا تھا اور جس نے نور الدین کے سپہ سالار شیرکوہ کو (جو صلاح الدین کا چچا تھا) مصر کی فتح میں مدد دی تھی۔ صلاح الدین نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی عیسائیوں کو فلسطین و شام میں سے باہر نکالنے کا کام شروع کر دیا۔ اس وقت یروشلم کا نصرانی بادشاہ بالڈوین چہارم (BALDWIN IV) تھا جو اپنے آباؤ اجداد کے کرتوتوں کے خمیازے کے طور پر جذام کے منحوس مرض میں مبتلا تھا۔ بنیاس (BANIAS) کے مقام پر سلطان صلاح الدین اعظم ایوبی نے عیسائی افواج کو سخت شکست دی، اور انھیں مسلمانوں سے صلح کی درخواست کرنی پڑی۔ اس کے بعد ہی جذامی عیسائی بادشاہ فوت ہو گیا اور اُس کی جگہ ایک نوعمر لڑکا بالڈوین پنجم (BALDWIN V) کے نام سے بیت المقدس

کے تخت پر بیٹھا مگر عیسائیوں نے اُسے زہر دے کر مار ڈالا اور بادشاہت ایک نابکار شخص گائی ڈی لُسگنن (GUY DE LUSIGNAN) کے ہاتھ میں آگئی۔
مگر اُس نے ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین سے سخت شکست کھائی چنانچہ حطین (HATTIN) کے مقام پر اس ہزیمت کے بعد بیت المقدس اور اُس کے ساتھ تمام فلسطین پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا۔
تیسری صلیبی جنگ ۱۱۸۹ء میں واقع ہوئی۔ اُس کی رہنمائی فریڈرک اوّل (FREDERICK I) شاہ جرمنی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ عظیم الشان یورپی لشکر مسلمانوں سے بیت المقدس کو آزاد کرانے کے لئے نکلا تھا۔ اُنھوں نے عکّہ (ACRE) فتح کر لیا۔ لیکن فوراً ہی اُن کے آپس میں متحدہ عسکری کی سپہ سالاری کے مسئلہ پر پھوٹ پڑ گئی۔ برطانیہ کا بادشاہ رچرڈ شیر دل بھی اس جنگ میں موجود تھا، جس نے اپنی بہن کو سلطان صلاح الدین کے بھائی ملک العادل کے نکاح میں دے کر سلطان اعظم سے صلح کرنے کی کوشش کی تھی۔
سلطان صلاح الدین اعظم کا انتقال ۱۱۹۳ء میں ہوا۔ ۱۱۹۸ء اور ۱۲۰۴ء میں چوتھی اور پانچویں صلیبی جنگیں ہوئیں مگر یہ دونوں بھی تیسری صلیبی جنگ کی طرح ناکام رہیں اور بیت المقدس بدستور مسلمانوں کے قبضے میں رہا۔
۱۲۱۲ء میں عیسائی یورپ نے اپنی حماقت کا عظیم الشان تاریخی نمونہ دکھایا۔ اس سال بچّوں کو صلیبی جنگ عربوں سے لڑنے کے لئے بھیجا گیا۔ پچاس ہزار لڑکے اور لڑکیاں۔ یورپ کے مختلف شہروں سے بیت المقدس مسلمانوں سے چھیننے کے لئے اپنے گھروں سے روانہ ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے کوئی

فلسطین تک پہنچا سب کے سب راستے ہی میں رہ گئے اور کوئی اپنے گھر واپس نہ لوٹ سکا۔

بقیہ چار صلیبی جنگیں وقتاً فوقتاً ۱۲۷۲ء تک لڑی گئیں مگر سب بے نتیجہ رہیں مسلمان بدستور فلسطین اور بیت المقدس پر قابض رہے۔ اس طرح ۱۰۹۶ء سے لے کر ۱۲۷۲ء تک ۱۷۶ سال کے عرصہ میں دس صلیبی جنگیں ہوئیں جن میں کُل یورپ نے مسلمان عربوں کے خلاف حصہ لیا مگر ناکام رہے۔

منگول حملہ آوروں نے ایران ۱۲۱۸ء میں فتح کیا اور پھر ۱۲۴۰ء میں شمالی شام فتح کرنے کے بعد یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ وہاں کی تمام رعایا کو تہِ تیغ کر دیا اور معابد کو لوٹ لیا۔ مصریوں کی مدد سے انھوں نے گازا (GAZA) کے مقام پر شامی عیسائیوں اور مسلمانوں کی متحدہ فوج کو جو اپنے مشترک دشمن کے مقابلہ کی خاطر پہلی مرتبہ متحد ہوئے تھے، زبردست شکست دی۔ اب فلسطین مصر کے مملوک سلاطین کے ماتحت آگیا۔

۱۲۵۸ء میں تاتاری افواج نے ہلاکو کے ماتحت بغداد پر قبضہ کر لیا اور پھر ۱۲۶۰ء میں دمشق کو بھی تسخیر کر لیا اور کُل ملک شام کو برباد کر ڈالا مصری سلطان قطوز (KOTUZ) کے جنرل بیبرس (BAIBARS) نے انھیں بالآخر نکالا اور پھر اپنے مربی سلطان کو قتل کر کے خود سلطان مصر بن بیٹھا۔ اس نے فلسطین اور بیت المقدس فتح کیا اور تمام نصرانی معابد کو لوٹ لیا۔ حطین اور کالون سے عکہ (ACRE) پر قبضہ کر لیا اور اس طرح فلسطین سے عیسائی

سلطنت کا نام ونشان مٹ گیا۔

چودھویں صدی عیسوی میں عیسائی پھر رینگ کر فلسطین پہنچ گئے اور کچے بعد دیگرے انھوں نے اپنی کھوئی ہوئی ملکیت پہ دوبارہ قبضہ کرلیا۔ انھوں نے یروشلم، بیت لحم اور نزارتھ میں از سر نو کنیسے تعمیر کیے مگر ۱۴۰۰ء میں تیمور لنگ یلغار کرتا ہوا آیا اور فلسطین میں اُن کی حکومت وثقافت پھر نیست ونابود ہوگئی۔

۱۵۱۷ء میں فلسطین مملوک سلاطینِ مصر کی شکست کے بعد عثمانی ترکوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ ۱۵۳۷ء میں سلطان سلیمان اعظم نے یروشلم کی دوبارہ تعمیر کی اور اُس کی کھوئی ہوئی عظمت وشوکت کو زندہ کیا۔ اس درمیان میں دروزی شہزادے فخر الدین [از ۱۵۹۵ء تا ۱۶۳۴ء] نے عثمانی سلطنت کے مقابلے میں اپنی خود مختار حکومت قائم کرلی اور عربوں کو شام وفلسطین کے سواحل سے جنوب میں عکہ تک ڈھکیل دیا۔

اٹھارھویں صدی کے اختتام پر قبیلۂ زیدان کا ایک سردار ظہیر الامیر نامی عکہ کا مالک بن بیٹھا اور مصر سے آکر ایک البانی غلام احمد الجزار "قصاب" اُس کا شریک ہوا۔ پانچ سال کے بعد وہ واپس مصر چلا گیا۔ جب ظہیر نے ترکی حکومت کے خلاف بغاوت کی تو وہی جزار اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ احمد الجزار نے یہ بغاوت فرو کردی۔ چنانچہ ترکوں نے اُسے ظہیر کی جگہ عکہ کا گورنر مقرر کردیا۔ الجزار نہایت ظالم شخص تھا۔ ۱۷۹۱ء تک فرانسیسیوں کی تجارتی کوٹھیاں عکہ میں موجود تھیں۔ الجزار نے حکماً

ان سب کو بند کرا دیا اور فرانسیسیوں کو ملک سے باہر نکل جانے کا حکم دیدیا۔
۱۷۹۹ء میں نپولین مصر سے ناکام لوٹا، جہاں وہ فرانسیسی حکومت قائم کرنے کے لئے گیا تھا۔ شام میں اس نے ترکوں کے خلاف بغاوت پیدا کرنی چاہی۔
اس نے یافہ اور رملہ پر قبضہ کرلیا اور عکہ میں الجزار کو شکست دی اور نزاریتھ پر متصرف ہوگیا۔ مگر انگریزوں کی مخالفت کے باعث نپولین کو شام و فلسطین سے بھی ناکام لوٹنا پڑا۔ ۱۸۰۴ء میں الجزار مرگیا اور اس کی جگہ اس کا متبنیٰ بیٹا سلیمان حاکم عکہ ہوا۔ اس کا انتقال ۱۸۱۹ء میں ہوا۔ اور اس کے بعد عبداللہ حاکم ہوا۔ ۱۸۳۱ء میں مصر کے گورنر محمد علی پاشا نے اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو بھیجا جس نے عکہ فتح کرکے لوٹ لیا۔ اس طرح فلسطین پر مصر کی مختصر حکومت کا دور شروع ہوا۔ ۱۸۳۴ء میں فلسطین نے مصری حکومت کے خلاف بغاوت کی، مگر وہ فرو کردی گئی۔ پھر ۱۸۴۰ء میں صوبۂ لبنان (LEBANON) نے مصر کے خلاف بغاوت کی اور اسی سال ترکوں نے فرانس، انگلستان اور آسٹریا کی مدد سے فلسطین پر پھر قبضہ کرلیا اور مصری گورنر کو نکال باہر کیا۔
۱۸۴۰ء سے عثمانی حکومت نے فلسطین پر اپنی حکومت کی گرفت آہستہ آہستہ زیادہ سخت کرنی شروع کی۔ مقامی شیوخ کا اثر کم کیا اور یوروپی طاقتوں کے قنصل خانے یروشلم اور بندرگاہوں میں کھولے جانے کی اجازت دی۔
۱۸۴۷ء میں بیت لحم کے مشہور نصرانی کنیسہ میں مسلمانوں کے خلاف

سازش ہوئی جس کا نتیجہ جنگِ کریمیا کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ۱۸۶۰ء میں دمشق میں یکایک عیسائیوں کے خلاف عربوں کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ لبنان میں بھی یہی صورت ہوئی اور قریباً چودہ ہزار عیسائی مارے گئے۔

۳۰ جون ۱۸۵۵ء کو صلیبی جنگوں کے بعد پہلی مرتبہ بیت المقدس کی سڑکوں پر ایک یوروپی بادشاہ کی آمد پر صلیب کی نمائش کی گئی۔ اور ۱۸۵۸ء میں پہلی مرتبہ "حرم شریف" میں نصرانیوں کو داخلے کی اجازت دی گئی۔

انیسویں صدی عیسوی کے آخری حصے میں بڑی سُرعت سے فلسطین بالخصوص بیت المقدس اور اُس کے نواح میں یوروپی نصرانی نوآبادیاں آکر بسنا شروع ہوئیں۔ پہلے تو فرانسیسی اور روسی خانقاہیں قائم ہوئیں۔ پھر جرمن نوآبادی قائم ہوئی۔ پھر سخت متعصب امریکی مذہبی فرقے آکر بسے۔ ان کے بعد یہودیوں نے "صیہونیت" کی بنیاد ڈالی اور اس قدر بڑی تعداد میں آکر بسنا شروع کیا کہ فلسطین کی مسلمان عرب آبادی اکثریت سے اقلیت میں تبدیل ہونے لگی۔

۱۸۹۶ء میں ہرزل (HERZL) نے فلسطین کو ایک مستقل "یہودی ریاست" میں تبدیل کر دینے کی تجویز پیش کی اور ۱۸۹۸ء میں وہ خود وہاں پہنچا تاکہ اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے امکانات کو اپنی آنکھ سے محل وقوع پر دیکھے۔ اسی سال قیصر جرمنی ولیم دوئم نے بیت المقدس کی زیارت کی۔

۱۹۰۲ء میں فلسطین کو ہیضہ کی سخت وبا نے تباہ کر دیا۔ ۱۹۰۶ء میں برطانیہ اور ترکی کی حکومتوں کے مابین ترکی اور مصری سلطنتوں کی حدود کے بارے میں نزاع پیدا ہوا۔

۱۸۲۳ء میں بیت المقدس میں پہلے پروٹسٹنٹ مشنری آکر بسے ۱۸۴۶ء اور ۱۸۴۸ء کے درمیان ایک عجیب و غریب نصرانی مشنری سوسائٹی بیت المقدس میں قائم ہوئی جس کا مقصد تمام دنیا کو عیسائی بنانا تھا۔ ۱۸۴۹ء میں بیت المقدس میں ایک امریکی مذہبی عورت مسز مائنر (MRS. MINOR) نے ایک طرح کی نبوت کا دعویٰ کیا۔ مگر اس کے پیروؤں کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور ۱۸۵۳ء میں یہ فرقہ غائب ہوگیا۔ اس عورت کی وفات پر اس کی تمام جائداد جو بہت بڑی تھی، یہودیوں کے ہاتھ آگئی جس سے ۱۸۷۰ء میں انھوں نے فلسطین میں ایک زراعتی نوآبادی کی بنیاد ڈالی جو یافہ سے یروشلم تک پھیلی ہوئی ہے۔

۱۸۶۶ء میں ایک شخص آدمز (ADAMS) کے ماتحت ایک اور نوآبادی امریکہ سے آکر فلسطین میں قائم ہوئی۔ یہ لوگ امریکہ سے فریموں میں جڑے ہوئے مکانات لے کر آئے تھے، جو آج تک یافہ میں موجود ہیں۔ مگر یہ لوگ تباہ و بدحال ہوکر اور اپنی تمام ملکیت ایک جرمن نوآبادی کے ہاتھ فروخت کرکے واپس امریکہ چلے گئے۔ جنگ عظیم اول کے آغاز میں یافہ، حیفہ اور یروشلم میں نوآبادیاں قائم تھیں۔

۱۸۷۰ء سے یہودی جلا وطن یوروپ کے مختلف ممالک سے بھاگ بھاگ کر فلسطین میں آنے اور آباد ہونے شروع ہوئے۔ بیرن دی راتھس چائلڈ (BARON DE ROTHSCHILD) نے ان یہودی نوآبادیوں میں اپنی دولت کا بڑا حصہ لگا دیا۔

(۳)

القدس (JERUSALEM)

یروشلم کی ابتدائی تاریخ نہایت مبہم ہے۔ جوشوا (JOSHUA) کے حملہ سے بہت پیشتر اس پر مصری حکمراں تھے۔ اسرائیلی فتوحات کے وقت یہ ملک اُن دیسی باشندوں کے ہاتھ میں تھا جو جبوسی (JEBUSITES) کہلاتے تھے اور اُس وقت یروشلم کے مالک تھے جبکہ حضرت داؤدؑ بنی اسرائیل کے بادشاہ ہوئے۔ اپنے بادشاہ ہونے کے چند سال کے بعد حضرت داؤدؑ نے "القدس" پر قبضہ کر لیا۔ حضرت موصوف نے جو شہر بسایا اُس کا نام بھی، اپنے نام پر داؤد (DAVID) رکھا اور اُس کے شمال میں، یہودیوں کے بیان کے موافق، حضرت ممدوح نے خداوند یہواہ کے معبد کی تعمیر کے لئے جگہ تجویز کی، جسے حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کرایا۔ ممکن ہے کہ یہ معبد اُسی جگہ پر ہو جہاں اب مسجد عمرؓ واقع ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی بادشاہت کے زمانے میں حکومتِ بنی اسرائیل اپنے بام عروج پر پہنچ گئی تھی۔ مگر اُن کے وصال کے بعد اس بادشاہت کے ٹکڑے ہو گئے اور جیروبوام (JEROBOOM) نے بغاوت کر کے اپنی علٰحدہ سلطنتِ بنی اسرائیل قائم کر لی۔ صرف دو قبیلے، یہودا (JUDAH) اور بنجامن (BENJAMIN) حضرت سلیمانؑ کے صاحبزادے۔ ریحوبوام (REHOBOOM) کے وفادار رہے۔ بعد ازاں یروشلم شیشک (SHISHAK) شاہِ مصر کے ہاتھ میں آگیا جسے اُس نے بالکل لوٹ کر برباد کر دیا۔ اس کے

بعد تین صدیوں تک یروشلم کی تاریخ اسرائیلی بادشاہت، معابی (MOABITES) اور شامیوں کے مابین مسلسل جنگ و جدل کی داستان ہے۔ شاہ اسرائیل جواش نے یروشلم شاہ یہودا آمیزیا سے چھین لیا۔ اور اُسے برباد کر ڈالا۔ لیکن اُسے آمیزیا کے بیٹے آگزیا نے از سرِ نو تعمیر کرایا۔ ہیزیکیا کے زمانۂ حکومت میں سلطنت یہودا اشوری طاقت کے زیر اثر آگئی۔ زیدیکیا کی بادشاہت کے عہد میں یروشلم پر شاہ بابل نبوچدنذر (NEBUCHEDNEZZAR) نے قبضہ کر لیا۔ شہر تباہ کر ڈالا گیا۔ معابد مسمار کر دئیے گئے اور اس جگہ ایک بابلی فوجی چوکی (GARRISON) مامور ہو گئی۔ اس کے بعد یروشلم اور یہودیوں کی ہزیمت، خواری و اسیری کی تاریخ لامعلوم ہے۔ حتیٰ کہ ۴۴۵ قبل مسیح میں نحمیا کو واپسی کی اور یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت ملی۔

ہیں ۳۳۲ سال ق م تک، جبکہ سکندر اعظم نے شام فتح کیا، یروشلم کی تاریخ کا بالکل علم نہیں۔ سکندر کے لئے یروشلم کے دروازے کھول دئے گئے تھے۔ اور اُس نے یہودیوں سے کوئی تعرض نہ کیا تھا۔ لیکن اُس کے جانشینوں نے یہودیوں کے ساتھ یہ نرمی روا نہ رکھی۔ بارہ سال کے بعد بطلیموس اول شاہ مصر نے جب یروشلم پر قبضہ کیا تو شہر پناہ اور قلعہ مسمار کر دئے، جنھیں عرصے کے بعد سائمن دوئم یہودیوں کے اعلیٰ ربی نے دوبارہ درست کیا اور کنیسہ عظمیٰ کی عمارات میں بھی اضافہ کیا۔ ۱۶۸ سال ق م میں انطیاکس ایپی فین (ANTIOCHUS EPIPHANES) نے یروشلم پر قبضہ کیا حصارِ شہر کو ڈھا دیا اور کنیسۂ مقدس کو زمین کے برابر کر دیا۔ اُس نے اُس کی

شمال

جنوب

بیت المقدس قدیم (مطابق نقشہ از لفٹننٹ کونڈر)

جگہ وہاں ایک گنبد اور مینار تعمیر کرایا۔ جس کا نام اُس نے "اکرا" (ACRA) رکھا اور اُس میں یونانی فوج کا ایک دستہ متعین کیا۔ اسی "اکرا" کے مقام پر موجودہ مسجد الاقصیٰ کا شمال و مشرقی حصّہ ہے۔ حرم شریف میں اسی مقام پر ایک زمین دوز چشمہ ہے، جسے "بحر اعظم" کہا جاتا ہے اور جو غالباً اسی یونانی فوج کے لئے پیدا کیا گیا ہوگا۔

اینٹاکس کے مظالم سے تنگ آکر قوم یہود نے مقابیوں کے ماتحت بغاوت کردی اور یہودا مقابی نے یروشلم پر قبضہ کر لیا مگر "اکرا" پر نہ کر سکا۔ آخر کار یونانیوں نے سائمن مقابی کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور "اکرا" مسمار کر دیا گیا۔ سائمن نے ملک یہودیہ (JUDAEA) میں نسل آسمونی (ASMONIAN) کی بنیاد رکھی جس کی حکومت ایک صدی تک قائم رہی، جبکہ رومی جمہوریت نے ملک شام پر اپنا قبضہ جمانا شروع کیا۔ ۶۵ سال قبل مسیح میں یروشلم پر پامپی (POMPEY) نے قبضہ کر لیا۔ نسل آسمونی کے حکمرانوں کی بادشاہت ختم ہوگئی۔ جب ہیرڈ اعظم (HEROD THE GREAT) نے رومیوں کی مدد سے یروشلم پر قبضہ کیا اور خود نسل اندومی (INDUMAEAN) کا پہلا بادشاہ بنا۔ ہیرڈ کا جانشین آرچیلاس (ARCHELAUS) برائے نام بادشاہ تھا۔ حکومت دراصل رومیوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور ایسے ہی ایک رومی گورنر پانطیس پلاط (PONTIUS PILATE) کے عہد میں حضرت عیسیٰ کو سزائے موت دی گئی تھی اور انھیں یروشلم سے باہر صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ اس کے بعد ہیرڈ اگرپیا (HEROD AGRIPPA) کے زمانے میں یروشلم

کی جدید شہر پناہ تعمیر کی گئی۔

طیطوس (TITUS) کے ماتحت رومیوں نے یروشلم پر جب قبضہ کیا تو کنیسہ عظمیٰ کو مسمار کر دیا۔ شہر پناہ کو گرا کر ہموار کر دیا۔ اور جب طیطوس یروشلم سے واپس آیا تو وہاں اپنے بعد ایک رومی حفاظتی فوج مسلط کر آیا۔ ساٹھ برس تک یروشلم اس طرح رومی عسکری نظام کے ماتحت رہا آخر کار ۱۳۲ء میں یہودیوں نے پھر بارکوچبہ (BARCOCHBA) کے ماتحت اس پر قبضہ کر لیا۔ لیکن یہ بغاوت رومیوں نے جنرل جولیس سیورس (JULIUS SEVRES) کے ماتحت فرو کر دی اور یروشلم کو پھر فتح کر کے مسمار اور برباد کیا۔ اب شہنشاہ ہیڈرین نے شہر کی از سر نو تعمیر کی، اس کا نام ایلیا کیپٹولنا (AELIA CAPITOLINA) رکھا اور اسے ایک رومی نوآبادی بنا دیا کنیسہ عظمیٰ کے مقام پر ایک مندر جوپیٹر کیپی ٹیو لینس (JUPITER CAPITOLINUS) کی یادگار میں تعمیر کیا گیا اور متعدد تھیٹر اور حمام وغیرہ بنائے گئے۔ یہودیوں کو شہر میں رہنے کی ممانعت کر دی گئی، لیکن نصرانی آزادی سے آباد ہوئے۔ اس طرح یروشلم ایک رومی نوآبادی بنا رہا حتیٰ کہ قسطنطین اعظم ۳۰۶ء میں تخت پر بیٹھا اور ۳۲۶ء میں عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد قسطنطین (CONSTANTINE) نے بشپ میکاریس (BISHOP MACARIUS) کے نام احکام صادر کئے کہ حضرت عیسیٰؑ کی صلیب گاہ کو اپنے قبضے میں کر کے اسے محفوظ کرے اور ان کے مزار کو درست کرے جس میں پیغمبر موصوف کا جسم مقدس [عیسائیوں کے عقیدے اور بیان کے مطابق] دفن کیا گیا تھا۔ جب ان دونوں مقامات کی

تحقیق ہوگئی تو قسطنطین نے دونوں جگہوں پر عظیم الشان گرجے تعمیر کرائے۔
۴۶۰ء میں ملکہ یوڈوسیا (EUDOCIA) فلسطین کی سیاحت کو آئی اور
اُس نے بیت المقدس کے شہر اور عبادت گاہوں کی درستی پر بے دریغ روپیہ
صرف کیا۔ چھٹی صدی عیسوی میں شہنشاہ جسٹینین (JUSTINIAN) نے
اُس مقام پر کنواری مریم کی یادگار میں ایک عظیم الشان گرجا تعمیر کرایا۔ جہاں اب
اسلامی عمارت مزار حضرت داؤدؑ موجود ہے۔ ۶۱۴ء میں شاہ ایران خسرو
دوئم نے یروشلم پر قبضہ کر کے اُسے برباد کر دیا اور رعایا کو قتل و غارت کیا۔
خسرو صلیب مقدس کو بھی بطور مال غنیمت لے گیا تھا۔ مگر شہنشاہ ہرقل
(HERACLIUS) نے بڑی خونریز جنگ کے بعد ایرانیوں کو شکست دی
اور صلیب القدس میں واپس لا کر نصب کی۔

۶۳۷ء میں حضرت عمرؓ خلیفہ دوئم نے بیت المقدس پر چڑھائی
کی جو چار ماہ محصور رہ کے مسخر ہو گیا۔ مگر مسلمان عربوں نے عیسائیوں اور
یہودیوں کے جان و مال اور عمارات کو بالکل ہاتھ نہ لگایا۔ اُس وقت کنیسۂ عظمیٰ
کے متصل ایک لکڑی کی مسجد بنائی گئی جو بعد ازاں مسجد الاقصیٰ کے نام سے تعمیر
ہوئی۔ اس متبرک مسجد کے تعمیر کرنے کی سعادت اُموی خلیفہ عبدالملک کی قسمت
میں لکھی تھی، جس نے ۶۸۹ء میں مسجد عمرؓ بھی تعمیر کرائی۔ بیت المقدس مسلمانوں
کے ہاتھ میں ۱۰۹۹ء تک رہا، جبکہ پہلی صلیبی جنگ میں گاڈفرے آف بولن
(GODFREY OF BOUILLON) نے اس پر قبضہ کر لیا اور یہ شہر یروشلم کی لاطینی
سلطنت کا مرکز بنا، حتیٰ کہ ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین اعظم نے

اُسے نصرانیوں سے چھین لیا اور شہر اور فصیلوں کو دوبارہ تعمیر کیا۔ اُس تاریخ
سے لے کر القدس مسلمانوں کے تسلط میں ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء تک رہا جبکہ انگریزی
افواج نے اس پر جنرل ایلنبی GEN. ALLENBY کے ماتحت قبضہ کیا۔ اس پر
مصری سلطانوں نے ۱۵۱۷ء تک حکومت کی تھی اس کے بعد جب ترکوں نے
سلیم اوّل کے ماتحت شام پر قبضہ کرلیا تو بیت المقدس بھی اُن کے ہاتھ میں آگیا۔
سلطان سلیم کے جانشین سلطان سلیمان اعظم نے بیت المقدس کو قلعہ بند کیا جو اُس وقت سے اب تک
کم و بیش محفوظ ہیں۔ ۱۸۷۰ء کے بعد سے ملک فلسطین خصوصاً شہر یروشلم
میں عیسائیوں خصوصاً یہودیوں نے بیرونی ممالک سے بڑی تعداد میں آکر آباد
ہونا شروع کیا اور عرب مسلمانوں کو سیاسی حیثیت سے بیدخل کرنے کی پالیسی
کا آغاز ہوا۔

جنگِ عظیم اوّل سے پیشتر حسب ذیل نصرانی اور یہودی مشن، کنیسے، مذہبی
تبلیغی مدارس، شفاخانے، خانقاہیں اور یتیم خانے یروشلم اور اُس کے مضافات
میں موجود تھے۔ روسی، فرانسیسی، جرمن، یہودیوں کا لندن مشن، ابی سینی،
چرچ مشنری سوسائٹی لندن، اینگلی کن چرچ اور کالج، ڈامی نیسین مانسٹری
(DOMINICIAN MONASTERY) رتھس چائلڈ (ROTHSCHILD)
الائینس اسرائیلی (یہودی) (ALLIANCE ISRAELITE) ارمنی خانقاہ، سینٹ
ونسینٹ (SAINT VINCENT) کا ادارہ، راٹسبن اسکول (ROTISBON)
مانٹی فلور (MONTIFLORE) سینٹ جان (ST. JOHN) کے نائٹس
(KNIGHTS) کلاریسیز (CLARISSES) کی کانوینٹ (CONVENT) موراوی

(MORAVIAN) جذامی اسپتال، لاطینی، فرانسسکن (FRANCISCANS) قبطی خانقاہ (COPTIC) سیوزدی سایئن (SOEURS DE ZION) آسٹریائی، ترکی، یہودی وغیرہ۔

۱۹۱۸ء سے یروشلم برطانیہ کے ہاتھ میں ہے، جو اُسے مجلس اقوام نے بطور انتداب عطا کیا ہے۔ دیوارِ گریہ (WAILING WALL) کی ملکیت کے بارے میں، جو حرم شریف میں ہے۔ ہمیشہ سے یہودیوں اور عربوں کے درمیان مستقل تنازعہ چلا آتا ہے۔ جنوری ۱۹۳۰ء میں مجلس اقوام کی کونسل نے حکومت کی استدعا پر اس عقدۂ مالاینحل کے تصفیہ کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا تھا مگر کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

بیت المقدس کی آب و ہوا قدرتاً اور بالعموم عمدہ ہے۔ سالانہ حرارت کا اوسط ۶۲.۸ ڈگری (الیف) ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ گرمی ۱۱۲ ڈگری تک اور کم سے کم ۲۵ ڈگری تک ہوتی ہے۔ سالانہ بارش کا اوسط ۲۶.۰۶ انچ ہے۔ خاص صنعت زیتون کی لکڑی کی بنی ہوئی اشیاء اور مونگے کا سامان وغیرہ ہیں۔ شہر کے اندر یہودی آبادی کی تعداد سب سے زیادہ، عیسائی اُن سے کم اور مسلمان سب سے کم ہیں۔ مگر فلسطین کی آبادی کی اکثریت مسلمان عرب ہیں۔

(۳)

"قوم یہود اور یہودیت" (JEWS & JUDAISM) *

لفظ "یہودیت" حضرت یعقوبؑ کے چوتھے بیٹے یہودا سے ماخوذ

---

* اس وقت دنیا میں ڈیڑھ کروڑ خالص یہودی پائے جاتے ہیں۔ اُن کا سال اکتوبر سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت ان کا سنہ ۵۷۰۰ ہے ان کی تقویم بھی علیحدہ ہے۔ ان کی لٹریری زبان عبرانی ہے جس میں بڑا وسیع لٹریچر ہے۔ جس زبان میں یہودی گفتگو کرتے ہیں۔ اس کا نام یدش (YEDDISH) ہے جس میں متعدد اخبارات شایع ہوتے ہیں۔

ہے، جن کی اولاد کو یہودی کہا گیا۔ یہودا اور اُن کے سوتیلے بھائی بنیامین نے سلطنتِ اسرائیل کے مقابلے میں یروشلم کو مستقر حکومت بنا کے سلطنتِ یہود کی بناڈالی۔ یہودی لوگ حضرت ابراہیمؑ کو یہودیت کا حامی اور حضرت موسیٰؑ کو اپنا نبی مانتے ہیں صیہونیت (ZIONISM) اور جدید آزاد خیال یہودیت کے درمیان بہت اختلافِ خیال ہے۔

یہودی عبرانی زبان کا لفظ ہے اور اس سے مُراد وہی یہودا [حضرت یعقوبؑ کے چوتھے بیٹے] کا قبیلہ اور اولاد ہے سلطنت یہود کے قیام میں یہودا کے سوتیلے بھائی بنیامین برابر کے شریک تھے۔

اصطلاحاً یہودی سلطنت یہودا کے باشندوں کو کہا گیا ہے جبکہ وہ اپنے دسوں قبائل سے جدا ہو کر، قوم یہود کی من حیث القوم عام گرفتاری وجلا وطنی کے بعد، یہاں آباد ہوئے تھے۔ نصرانی مذہبی کُتب میں یہودی سے مُراد "عیسائی دشمن" ہے۔ جب ۵۳۶ سال ق م میں سائرس (CYRUS) کے حکم سے یہودی آزاد ہوئے اور انھیں واپسی کی اجازت ملی، تو یہودیوں نے فلسطین میں واپس آکر یروشلم میں اپنے مذہبی معابد کو از سرِ نو تعمیر کیا۔ یہ تعمیرات ۵۱۶ سال ق م میں تکمیل ہوئیں۔ فلسطین میں واپسی کے وقت یہودیوں کی تعداد صرف ۴۲۳۶۰ تھی ـــ نحمیاہ کے بعد [۴۲۰ سال ق م] قوم یہود ایرانی حکومت کے ماتحت تقریباً ایک صدی تک رہی۔ اس دوران میں یہود کا اسقفِ اعظم شاہی گورنر کے ماتحت یروشلم پر حکومت کرتا رہا۔ ۳۳۱ سال قبل مسیح میں ایران کے زوال کے بعد، یہودی سکندرِ اعظم کی حکومت کے ماتحت آگئے، اور ۳۲۳ سال ق م

میں اُس کی وفات کے بعد [۳۰۱ سال ق م میں] بطلیموس لاگوس (PTOLEMY LAGUS) کی رعایا بن گئے۔ ۱۹۸ سال ق م میں یہودی قوم انطیاکس اعظم (ANTIOCHUS) کے زیر تسلط آگئی۔ مگر اُن پر براہ راست حکومت انھیں کا مذہبی رہنمائے اعظم ایک قومی کونسل کی مدد سے کرتا رہا۔

جب انطیاکس نے یروشلم پر قبضہ کیا تو مقابلی بغاوت کا آغاز ہوا اور اسی کے بعد ۱۳۸ سال ق م میں یہودیوں کو آزادی نصیب ہوئی۔ کچھ عرصے تک، اسموینی نسل کے فرماں رواؤں کے ماتحت، یہودی ایک آزاد قوم کی حیثیت سے بسر کرتے رہے۔ مگر ۶۳ سال ق م میں رومیوں نے پامپی (POMPEY) کے ماتحت یروشلم پر قبضہ کرلیا اور یہودی بتدریج رومی تسلط کے ماتحت آگئے۔ اور ۶ئہ میں مکمل طور پر رومی شہنشاہیت کی رعایا سمجھے جانے لگے۔

یہودیوں کی حکومتیں یہودیہ (JUDEA) اور سماریہ (SAMARIA) رومی صوبۂ شام کی باجگذار بن گئیں۔ ۷۰ئہ میں یروشلم مسخر ہوا۔ یہودیوں کی تمام مذہبی عمارات مسمار کرڈالی گئیں اور یہودی لوگ ایک قوم کی حیثیت سے باقی نہ رہے۔ وہ مختلف اطراف میں تتر بتر ہوگئے۔ تمام دنیا میں جہاں کہیں بھی وہ جاکر آباد ہوئے اپنے خصائل وخصائص کی بنا پر ظلم وتشدد کا شکار رہے۔ بالکل حال میں مختلف ممالک میں اُن کے شہری حقوق تسلیم کئے گئے ہیں۔ ۱۷۲۳ئہ میں اُنھیں انگلستان میں زمینیں خریدنے کی اجازت ملی اور ۱۷۹۰ئہ میں اسپین اور پرتگال میں اُنھیں شہری حقوق نصیب ہوئے۔ آسٹریا میں ۱۸۶۰ئہ میں ہنگری میں ۱۸۶۷ئہ میں یہودیوں کو آزادی ملی۔ ۱۸۸۱ئہ

بیں جرمنی میں سامی النسل قوم کے خلاف تحریک شروع ہوئی۔ ۱۸۹۱ء میں اور اس کے بعد روس میں یہودیوں پر بڑے بڑے مظالم ہوئے۔ مگر اس سلوک کے خلاف جو عیسائی دُنیا یہودیوں کے ساتھ روا رکھتی تھی، تمام اسلامی ممالک میں اُن کے ساتھ غیر معمولی رواداری کا برتاؤ کیا جاتا تھا اور محض برائے نام جزیہ اُن سے لیا جاتا تھا۔ ممالک مصر مراکش، ترکی، جزیرۃ العرب اور ایران وغیرہ میں اُن کے جان ومال بالکل محفوظ تھے۔ آخر اٹھارویں صدی اور آخر اُنیسویں صدی کے درمیان روس، جرمنی اور آسٹریا کو چھوڑ کر تمام یوروپی ممالک میں یہودیوں کی حالت بہتر ہوگئی۔ روس اور آسٹریا میں متعدد مرتبہ یہودیوں کا قتل عام ہوا۔ سوویٹ روس کے عہد حکومت میں بھی وہ چنداں آزاد نہ ہو سکے اور نازی (NAZI) جرمنی کا اُن کے ساتھ سلوک تو حال کی چیز ہے۔

یہودی امریکہ میں سولھویں صدی عیسوی کے آغاز میں پہنچے۔ وہاں وہ امریکی اعلیٰ مجلسِ قانون ساز (SENATE) اور مجلس مقننہ (CONGRESS) کے رکن ہیں اور رہے ہیں ——— انگلستان میں یہودی نارمن فتح کے وقت داخل ہوئے۔ وہاں ۱۲۱۸ء میں انھیں کتوں کی طرح اپنے گلوں میں پٹے ڈالنے کا حکم تھا تاکہ وہ پہچانے جا سکیں۔ ۱۸۸۶ء میں لارڈ رانھس چائلڈ (LORD ROTHSCHILD) پہلا یہودی لارڈ ہوا۔ پھر دوسرا سر ھربرٹ سیموئل (SIR HERBERT SAMUEL) ۱۹۰۹ء میں وزیر ہوا۔ ہندوستان کا وائسرائے لارڈ ریڈنگ (READING) بھی یہودی تھا۔ اسی طرح مسٹر مانٹیگو

(M. MONTAGUE) وزیر ہند ہوا۔ ان کے ماسوا متعدد یہودی برطانی نو آبادیات میں گورنر اور وزیر اعظم وغیرہ ہوتے رہے ہیں۔

پہلی جنگ عظیم کے وقت روس میں ستر لاکھ یہودی آباد تھے۔ آسٹریا ہنگری میں تیئیس لاکھ، رومانیا میں تین لاکھ، ریاستہائے متحدہ امریکہ میں تیس لاکھ جرمنی میں چھ لاکھ اور کل برطانی سلطنت میں قریباً چھ لاکھ۔ دُنیا بھر کے کل یہودیوں کی تعداد ڈیڑھ اور دو کروڑ کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ برطانیہ عظمیٰ میں اُن کی تعداد تین لاکھ سے اوپر ہے جہاں اُن کے تین سو سے زائد کنیسے (SYNAGOGUES) ہیں۔ اُن کے سب سے بڑے ربی (RABBI) ڈاکٹر ہرٹز (DR. HERTZ) ہیں۔ جن کا دفتر لندن میں ہے۔ سیاسی حیثیت سے یہودیوں پر ۱۹۱۰ء سے لیکر ۱۹۲۷ء تک ، اسال کا زمانہ موجودہ عہد میں بدترین گزرا ہے۔ اس کے بعد یورپ میں ہٹلر کا عہد تاریخی حیثیت سے اُن کے ادبار کا دَور رہا۔

(۴)

سامی دشمنی

اس سے مراد یہودیوں کے خلاف دیرینہ نفرت کی تازہ تجدید ہے جو خاص کر جرمنی، آسٹریا اور روس میں نمایاں ہوئی۔ مظلوم یہودیوں کی حفاظت کے لئے بیرن ڈی ہرش (BARONTDE HIRSCH) نے فلسطین میں اُن کی مستقل نو آبادی قائم کرنے کے لئے نوے لاکھ پونڈ اپنی جیب سے دے دئے۔

سامی دشمنی یا یہودیوں سے نفرت کی پالیسی نہ تو کسی نسلی کشمکش [آریائی سامی] کا نام ہے، نہ یہ دراصل مذہبی تحریک ہے، بلکہ یہ کُلیتہً ایک سیاسی چال ہے۔ چونکہ یوروپی سوسائٹی میں یہودی محض ایک حیثیت سے ممتاز و نمایاں تھے، یعنی صنعتی و حرفتی بورژوا (BOURGEOISIE)۔ اور اس حیثیت سے وہ یوروپ کی دولت، صنعت و حرفت پر بالکل قابض و متصرف تھے۔ اور جب اُنیسویں صدی کے وسط میں یوروپ کے اندر انقلابات نے بورژوا طبقے کو اُس براعظم کی قسمت کا مالک بنادیا تو عبرانی تفوّق ممیز ہو گیا۔ اُن کے بالمقابل پسماندہ عیسائی یوروپ نے سامی دشمنی کی سیاسی چال کھیلی اور اس چال کا شاطر جرمنی کا چانسلر اور صدر ہٹلر تھا۔

سامی دشمنی کی اس تحریک کا آغاز جرمنی اور آسٹریا میں ہوا، جہاں یہودیوں کا زور تھا۔ اُنیسویں صدی کے ختم سے پیشتر فرانس کی آبادی میں یہودی بقدر ۱۰۴ء فیصدی، اطالیہ میں ۱۲ء۰ فیصدی، جرمنی میں ۲۳ء۱ فی صدی اور آسٹریا ہنگری میں ۸۵ء۳ فی صدی تھے۔ چنانچہ یہودیوں کا زور اِن ممالک میں نمایاں تھا اور انھیں ممالک میں حسب ذیل مشہور عالم یہودی موجود تھے۔

لڈوگ بورن (LUDWIG BORNE) [از ۱۷۸۶ء تا ۱۸۳۷ء]

ہینرش ہائنے (HEINRICH HEINE) شاعر [از ۱۷۹۹ء تا ۱۸۵۶ء]

ایڈورڈ گانس (EDWARD GONZ) [از ۱۷۹۸ء تا ۱۸۳۹ء]

جبریل ریزر (GABRIEL RIESSER) [از ۱۸۰۶ء تا ۱۸۶۳ء]

فرڈیننڈ لسال (FERDINAND LASSALLE) [از ۱۸۲۵ء تا ۱۸۶۴ء]

کارل مارکس (KARL MARX) [از ۱۸۱۸ء تا ۱۸۸۳ء]

موزیس ہیس (MOSES HESS) [از ۱۸۱۲ء تا ۱۸۷۵ء]

اِگناز کرنڈا (IGNATZ KURANDA) [از ۱۸۱۱ء تا ۱۸۸۴ء]

جان یعقوب (JOHNN JOCOBI) [از ۱۸۰۵ء تا ۱۸۷۷ء]

یہودی قوم فطرتاً بڑی مکار اور عیار مگر محنتی، جفاکش اور زیرک واقع ہوئی ہے۔ اور جن لوگوں کا ذکر ہوا اُن میں سے ہنرش ہائینے (HEINRICH HEINE) یورپ کا زبردست شاعر ہوا ہے۔ ان کے علاوہ حسب ذیل یہودی اپنے عہد کے بہت بڑے عالم و ہنرمند لوگ تھے:۔

کارل گستاف یعقوبی (KARL GUSTAV JOCOBi)

مہندس [از ۱۸۰۴ء تا ۱۸۵۱ء]

جبریل گستاف ویلیتین (GABRIEL GUSTAV VALENTINE)

جغرافیہ داں [از ۱۸۱۰ء تا ۱۸۸۳ء]

مارس لزارس (MORITZ LAZARUS) ماہر السنہ

[از ۱۸۲۴ء تا ۱۹۰۳ء]

ہیمن اسٹینتھل (HEYMANN STEINTHAL) ماہر السنہ

[از ۱۸۲۳ء تا ۱۸۹۹ء]

ایڈورڈ لسکر (EDWARD LASKER) مدبر [از ۱۸۲۹ء

تا ۱۸۸۴ء]

لڈوگ بامبرگر (LUDWIG BOMBERGER) سیاست داں

[از ۱۸۲۳ء تا ۱۸۹۹ء]

برتھولڈ اور باخ (BERTHOLD AUERBACH)

فلاسفر اور سائنٹسٹ [از ۱۸۱۲ء تا ۱۸۸۲ء]

فیلکس مینڈولسان (FELIX MENDEL SSOHN) فلاسفر اور

سائنٹسٹ [از ۱۸۰۹ء تا ۱۸۴۷ء]

یعقوب میر بیر (JOCOB MEYERBEER) فلاسفر اور سائنٹسٹ

[از ۱۷۹۴ء تا ۱۸۶۴ء]

جرمنی میں "سامی دشمنی" کی تحریک کا بانی پرنس بسمارک (PRINCE BISMARR) تھا، کیونکہ لسکر (LASKER) اور بامبرگر (BAMBERGER) نے سیاسی حیثیت سے اُس کی زبردست مخالفت کی تھی جتنے یہودی مشاہیر کے نام اوپر بیان کیئے گئے ہیں وہ قریب قریب سب کے سب جرمنی یا آسٹریا ہنگری سے تعلق رکھتے تھے۔ اس بسمارک کی پالسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ یہود دشمنی جرمنی میں روز بروز شدید ہوتی چلی گئی۔ جرمنی میں یہودیوں پر زیادہ بُرا اثر ۱۸۸۱ء والے روسی، یہودی قتلِ عام کے باعث بھی ہوا۔ مگر اُس وقت جرمنی میں حالات سُدھر گئے اور یہودی محفوظ رہے۔

روس :- یہود آزاری کی پالسی میں جرمنی کے بعد روس کا نمبر آتا ہے۔ زار الیگزنڈر دوئم کے قتل کے واقعہ کے بعد یہودیوں کے خلاف نفرت کا جذبہ روس میں شدید تر ہو گیا۔ ۱۸۸۱ء میں ایسٹر (EASTER) کے تیوہار کی شام کو کھیرسون (KHERSON) میں یہ افواہ

اڑائی گئی کہ یہودی اپنے اس تیوہار کے موقعہ پر عیسائیوں کے خون سے روٹیوں
کا آٹا گوندھتے ہیں۔ چنانچہ سخت بلوہ و فساد برپا ہوا اور یہودی آبادی برباد کر ڈالی
گئی۔ کیو (KIEV) کے مقام پر دو ہزار یہودیوں کو بے خانماں کر دیا گیا۔ چند
ہفتوں کے اندر تمام مغربی روس میں یہودی آبادی لوٹ لی گئی اور ان کے
مکانات مسمار کر دیئے گئے۔ یہودی عورتوں کی سر بازار بے حرمتی کی گئی۔ صدہا
یہودی بوڑھے مرد، عورتیں اور بچے قتل کر ڈالے گئے اور ہزاروں فقیر بنا کر چھوڑ
دیئے گئے۔ یہ قتل عام و غارت گری وارسا (WARSAW) اور اوڈیسہ
(ODESSA) کو ملا کر ۱۶۷ شہروں اور قصبوں میں جاری رہی۔
یورپ نے چودھویں صدی عیسوی کے بعد سے، جبکہ "بلیک ڈیتھ"
(BLACK DEATH) کے نام سے قتل عام ہوا تھا، ایسی عام قتل و غارتگری
اور بیمانہ انسان کشی نہ دیکھی تھی۔ سول اور فوجی مقامی حکام نے یہودیوں کی ذرا
بھی مدد نہ کی۔ زار روس کو بھی سمجھا بجھا لیا گیا۔ اس سامی دشمنی کی تحریک نے
روس سے ستر ہزار یہودیوں کو سرحد پار بھگا دیا جو اپنے ساتھ کروڑوں روبل
(ROUBLES) روس سے باہر لے گئے۔ اس بلوے اور فساد کے باعث
۱۸۸۲ء میں روس کو اس قدر مالی نقصان ہوا جس قدر کہ ۱۸۷۷ء کی تمام
روسی ترکی جنگ میں بھی نہ ہوا تھا۔ تجارت مفلوج ہو گئی۔ لوگ دیوالیہ
ہو گئے۔ ضروریات زندگی کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور قحط
گراں سالی نے نصف مملکت روس کو تاریک و مصیبت زدہ بنا دیا۔
بنکوں کے دروازے بند ہو گئے۔ یہودی قوم کے خلاف اس مذہبی جنگ

کے بعد روسی کیتھولک عیسائی طبقہ مسلمانوں اور بدھ مت کے پیرودں
کے خلاف تحریک جاری رہی۔ لیکن ۱۸۹۵ء میں زار فوت ہوگیا اور اُس کے
جانشین نے اس یہود آزاری کے خلاف اپنی بے زاری کا اعلان کیا۔
روس میں یہود کشی پھر ۱۹۰۳ء میں شروع ہوئی اور اکتوبر ۱۹۰۵ء میں اوڈیسا
(ODESSA) کے مقام پر کُل یہودی آبادی برباد کردی گئی۔

رومانیا:۔ جرمنی اور روس کے بعد یورپ میں یہود آزاری کا سب سے
زیادہ مظاہرہ رومانیا میں ہوا۔ یہاں بھی یہودیوں کی قریب قریب وُہی
دُرگت ہوئی جو روس میں ہوئی تھی۔ ترکی حکومت کے ابتدائی دور میں یہودیوں
کی حالت عیسائی ممالک کی نسبت بدرجہا بہتر تھی۔ اسلامی ممالک میں یہودیوں
کو اُس وقت تک کوئی تکلیف نہ پہنچی جب تک کہ اُنھوں نے اسلام اور
مسلمانوں کے خلاف سازش اور غدّاری نہ کی۔ رومانیا میں ہرچند کہ یہودی
صدیوں سے آباد تھے۔ مگر ملک کے قانون کے مطابق اُن کی حیثیت وہاں
اجنبیوں اور غیر ملکیوں کی تھی۔ آخر کار ۱۹۰۲ء سے اُنھوں نے رومانیا کو
خیرباد کہنا شروع کیا۔

آسٹریا ہنگری:۔ اِس ملک میں سامی دشمنی و یہود آزاری کی تحریک جرمنی
روس اور رومانیا سے آئی۔

فرانس:۔ یوروپ میں فرانس آخری ملک تھا۔ جہاں یہود آزاری کی پالیسی
کی تعلیمات سیاسی مفاد کے پیشِ نظر جرمنی سے حاصل کی گئیں۔

برطانیہ عظمیٰ:۔ حالانکہ یہود آزاری کی تحریک خاص طور پر مندرجہ صد

ملک میں نمایاں رہی مگر برطانیہ عظمیٰ اور سلطنتِ برطانیہ کے دیگر حصص میں اُس کے اثرات ظاہر ہوتے رہے۔

سامی دشمنی وہیود آزادی کی اس تحریک نے یورپ میں گزشتہ ستر اسی سال میں اپنی ایک جداگانہ تاریخ مرتب کر لی ہے۔ لیکن یہ تحریک سراسر سیاسی حماقت پر مبنی ہے۔ اس کا نسلی نظریہ فرضی اور اس کا قوم پرستانہ اصول محض تنگ نظری پر قائم ہے۔ اس نے یوروپ کی جدید سماجی زندگی کو اقتصادی حیثیت سے بڑا نقصان پہونچایا ہے۔ اس تحریک نے یہودی قوم کو ایک نئی زندگی بخشی ہے۔ اس نے مذہبی حیثیت سے نکال کر انھیں نسلی اصول پر منظم و متحد کر دیا ہے۔ اس نے اُن کو دو طریقوں سے ایک مرکز پر لا کھڑا کیا ہے۔ پہلے انھوں نے صیہونی (ZIONIST) تحریک کا آغاز کیا۔ جس کا مقصد یہودیوں میں قوم پرستی کے جذبہ کو اُبھارنا اور انہیں ملک فلسطین میں وطن جیسٹ القوم لے جا کر آباد کرنا اور فلسطین کو یہودیوں کے لئے اپنانا ہے۔ دوسرے لندن کی "مقامی سوسائٹی" کا پروگرام ہے، جو قوم یہود کو متحد کرنا اور اُن کے قومی افتخار کے احساس کو اُبھارنا اور اُس میں شدت پیدا کرنا چاہتی ہے۔

(۵)

صیہونی تحریک

(ZION MOVEMENT)*

عام طور سے اس تحریک سے مراد ملک فلسطین میں قوم یہود کے لئے

---

* صیہون یا زیون (ZION) اصل میں اُس پہاڑی کا نام ہے جو یروشلم میں پائی جاتی ہے اور اسی لئے مجازاً یہودیوں کو اہلِ صیہون (ZIONIST) کہتے ہیں۔ (ZIONISM) کی تحریک کا عربی نام "صیہونیت" ہے، جو اس مقصد سے جاری کی گئی ہے کہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی گھر بنا دیا جائے۔

ایک مستقل قومی مرکز قائم کرنا ہے ۔ اس تحریک کا روح رواں اور اس ادارے
کا مصدر زنگویل (ZANGWILL) رہا ہے۔

یہ تحریک دراصل صیہون (ZION) کے نام سے وابستہ ہے جو انطیوکس
اپی فینیس (ANTIOCHUS EPIPHANES) کے خلاف مقابی (MACCABEES) کی
بغاوت کی باعث ہوئی اور جس نے زروبیل (ZERUBBABLE) کے
ماتحت بابل میں محبوس یہودی جلا وطنوں کی بیت المقدس کی جانب رہنمائی
کی۔ اس تحریک میں قومی ونسلی افتخار کے جذبہ کے احیا کے ساتھ ساتھ
ایک نوع کے روحانی وجدان کو بھی شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہمیشہ سے قوم یہود کی اکثریت اپنی مٹی ہوئی قدیم سلطنت یہودیہ (JUDIA)
کی تجدید کے خواب دیکھتی رہی ہے — چنانچہ یہودیوں میں جس جس نے
مسیحیت کا دعوٰی کیا، اس نے اپنا آلۂ کار اسی امر کو بنایا کہ وہ خدا کی
جانب سے فلسطین میں یہودی سلطنت دوبارہ قایم کرنے کے لئے مامور
کیا گیا ہے۔ ایسے یہودی مسیح حسب ذیل تھے:- بارکوچبہ (BARCOCHBA)
[۱۳۲ء سے ۱۳۸ء تک] جس نے قوم یہود کی عام بغاوت کی سرکردگی
کی اور تمام سلطنت روستہ الکبریٰ میں تہلکہ ڈال دیا تھا۔ تین سو برس کے بعد اقریطش
(CRETE) کے ایک یہودی موسیٰ (MOSES) نامی نے مسیحیت کا دعویٰ کیا۔
آٹھویں صدی عیسوی میں ایک شامی یہودی سیرون (SERONE) نامی نے
اسی دعوے کے ساتھ تمام قوم یہود کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر لیا تھا۔
اس کے تیس سال کے بعد ایران میں ایک اور یہودی ابو عیسیٰ عُبیدہ نامی

ی دعویٰ کیا۔ ۱۱۶۰ء میں ایک اور یہودی مسیح داؤد الرائے کے نام سے
ہودار ہوا۔ پھر ۱۵۳۰ء میں ایک اور جھوٹا مسیح داؤد ریوبینی نامی پیدا ہوا۔
ستا مسیح بن اسرائیل [از ۱۶۰۴ء تا ۱۶۵۷ء] نے انگلستان میں یہودی نوآبادیات
ائم کرنے کی سعی کی جہاں سے وہ بعد ازاں مستقلاً فلسطین کو منتقل کی جا سکیں۔
سخر اپن اس حد تک پہنچا کہ بعض یہودی ربی انگلستان اس غرض سے گئے کہ
لیور کرامویل (OLIVER CROMWELL) کو داؤدی نسل میں ثابت کریں۔
مرنا (SMYRNA) کے مقام پر ایک یہودی سباطائی زیوی [از ۱۶۲۶ء تا
۱۶۷۶ء] نے خود کو مسیح موعود بتایا۔ اس عہد میں مسیحیت کا جنون تمام قوم
ہود پر طاری تھا۔ اور فلسطین کو اپنا قومی مرکز بنانے کا جذبہ دیوانگی تک
پہنچ گیا تھا۔

اس کا ردِ عمل ۱۷۷۹ء میں "منڈلسونین تحریک" MENDELSSOHNIAN
MOVEMENT کی شکل میں نمایاں ہوا۔ موسیٰ مینڈلسون [از ۱۷۲۹ء تا
۱۷۸۶ء] نے ایک نئی تحریک کا آغاز کیا جو یہودیوں میں پہلے سے مفقود
ی۔ اب تک یہودی کسی ملک سے خود کو وابستہ نہ کرتے تھے یعنی وہ جس ملک
رہتے تھے خود کو وہاں کی قومیت سے علیحدہ محض یہودی بتاتے تھے
زیادہ تر یہی وجہ تھی کہ وہ یورپ میں صدیوں سے رہتے ہوئے بھی وہاں
عام رعایا کے لئے ہر طرح سے اجنبی تھے اور اسی لئے اُن کو یورپی ممالک
حکومتیں مساویانہ شہری حقوق بھی عطا نہ کرتی تھیں۔ مینڈلسون نے
ن کو ہر جگہ شہری حقوق دلانے کی کوشش کی، اور اُن کو تلقین کی کہ وہ

یہود کو محض یہودی کہنے کے بجائے جیسا موقع ہو جرمن، فرانسیسی، روسی وغیرہ کہیں۔ سنہ ۱۸۰۶ء میں نیپولین کے ایما سے ایک زبردست مجلس میں اس تلقین وتعلیم کو استقامت کا رنگ دیا گیا۔ بایں ہمہ یہودی قوم فلسطین پر سے اپنی نظر نہ ہٹا سکی اور مینڈلسون کی مساعی سے جوں جوں اُن میں تاریخ یہود پڑھائی گئی اُن کے اندر نسلی و قومی جذبہ زیادہ شدت سے بیدار ہوتا گیا۔ یہی نسلی و قومی احساس آج فلسطین میں شورش بپا کئے ہوئے ہے۔

راتھس چائلڈ (ROTHSCHILD) کے خاندان نے یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کی تجویز پر بہت روپیہ خرچ کیا ہے۔ اِن کے ماسوا یہودیوں کو بڑی مدد یوروپی طاقتوں کی اس سیاسی پالیسی سے بھی ملی، جو انھوں نے مشرق میں "مظلوم و پسماندہ اقوام کی حمایت" کے نام سے اختیار کی۔ انگلستان میں سیاسی اہلِ قلم نے برطانیہ کے ماتحت فلسطین میں ایک یہودی حکومت کے قیام پر زور دینا شروع کیا تاکہ ہندوستان جانے کے لئے خشکی کا راستہ محفوظ ہو جائے۔ [دیکھئے کتاب "فلسطین میں یہودی" مطبوعہ سنہ ۱۸۵۲ء از ہولنگز ورتھ (HOLLINGSWORTH)] لارڈ بیکنس فیلڈ (BEACONSFIELD) اور لارڈ سالسبری (SALISBURY) نے مسٹر لارنس اولیفنٹ (LAURENCE OLIPHANT) کی اس امر میں بڑی حمایت کی کہ وہ سلطنت ترکی سے ایسی مراعات حاصل کریں جن کے ذریعہ سے فلسطین میں ایک خود مختار و آزاد یہودی حکومت قائم ہو سکے۔ سنہ ۱۸۵۰ء میں لندن کے ایک یہودی نے "بنی اسرائیل کا فلسطین پر قبضہ کرانے کے لئے" ایک کمپنی کا اجرا کیا

۱۸۷۶ء میں جارج ایلیٹ (GEORGE ELIOT) نے "دانیال دیرونڈا" (DANIEL DERONDA) نامی کتاب شایع کی جس سے قوم یہود کی اس فلسطینی تحریک کو بڑی تقویت پہنچی۔ مزید برآں "چودیوی سایئن" (CHOVEVIZION) کے نام سے ایک سوسائٹی کی بنیاد رکھی گئی جس کا مقصد بادی النظر میں تو یہ تھا کہ فلسطین میں زراعتی نوآبادیاں قایم کی جائیں مگر دراصل مطلب وہی تھا کہ کسی طرح قوم یہود کو مالکانہ قابض و متصرف کرایا جائے۔ اس سوسائٹی کی شاخیں تمام دنیا میں قائم تھیں۔ علاوہ ازیں حسب ذیل دو زبردست تجاویز اسی زمانے میں پبلک کے سامنے لائی گئیں۔ ایک تو مسٹر کزالیٹ (CAZALET) کی یہ تجویز تھی کہ وادی فرات میں یہودی روپیہ سے ریلوے لائن کھولی جائے۔ مگر یہ تجویز ناکام رہی۔ دوسری بیرن دی ہرش (BARON DE HIRSCH) کی عظیم الشان نوآبادیاتی تجویز تھی۔ مگر یہ تمام تجاویز یہودیوں میں چنداں مقبول نہ ہوئیں۔

ایک جدید آسٹروی صیہونی (ZIONIST) رہنما ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل (DR. THEODORE HERZL) [از ۱۸۶۰ء تا ۱۹۰۹ء] نے، جو شہر ویانا (VIENNA) کا صحافی اور ڈرامہ نویس تھا، یہ تجویز پیش کی کہ یورپی یہودیوں کو جہاں جہاں وہ آباد ہوں علحدہ علحدہ خود مختار سیاسی نوآبادیوں کی شکل میں رکھا جائے۔ ۱۵۶۶ء میں دان یوسف نازی (DON JOSEPH NASI) نے تبیریاز (TIBERIAS) کے مقام پر خود مختار حیثیت سے یہودیوں کو بسانے کی تجویز کی اور سلطان ترکی سے اس مقصد سے اس شہر کی حکومت کا پروانہ بھی

حاصل کرلیا تھا مگر یہ تجویز بھی ناکام رہی۔ ۱۶۵۲ء میں ڈچ ویسٹ انڈیا کمپنی (DUTCH WEST INDIA CO.) نے کراکاو (CURACAO) کے مقام پر، ۱۶۵۴ء میں اولیور کرامویل (OLIVER CROMWELL) نے سرینم (SURINUM) کے مقام پر، اور ۱۶۵۹ء میں فرینچ ویسٹ انڈیا کمپنی (FRENCH WEST INDIA CO.) نے کیئین (CAYENNE) کے مقام پر ایسی قسم کی نوآبادیاں قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ ۱۷۴۹ء میں مارشل دی ساکسے (MARSHAL DE SAXE) نے جنوبی امریکہ میں ایک یہودی سلطنت قائم کرنے کی سعی کی جس کا وہ خود بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ ۱۸۲۵ء میں میجر ایم ایم نوح (MAJOR M.M. NOOH) نے دریائے ناگرا (NIAGARA) میں جزیرہ گرانڈ آئلنڈ (GRAND ISLAND) خریدا تاکہ اُس پر ایک آزاد یہودی حکومت قائم کی جائے۔ مگر یہ تمام تدبیریں ناکام رہیں۔ ڈاکٹر ہرزل (DR. HERZL) ان تمام تجاویز کا حشر دیکھ چکا تھا، اس لیئے وہ اپنی تجویز کی کامیابی کے معاملے میں بیحد محتاط تھا۔ اُس نے ۱۸۹۶ء میں "سلطنت یہود" کے نام سے جرمن، فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں ایک رسالہ شائع کیا، جس میں اُس نے اپنی تجویز کے عملی رُخ کی تفاصیل بیان کیں۔ اُس کی تجویز یہ تھی کہ سلطان ترکی کے ماتحت یہ ایک باجگذار خود مختار یہودی حکومت کی حیثیت سے فلسطین میں قائم کی جائے۔ حکومت جمہوری ہو اور اُس کے اندر تمام مذاہب کو آزادی حاصل ہو، مقامات مقدسہ بالکل آزاد ہوں۔ اس تجویز کا سب نے خیر مقدم کیا۔ اور اُس زمانے کے مشاہیر یہودی

اہل قلم مثلاً ڈاکٹر میکس نارڈون (DR. MAX NORDON) اور مسٹر اسرائیل زنگویل (ISRAEL ZANGWILL) وغیرہ نے ہمنوائی کی اور دنیا بھر کے ہر طرف سے یہودیوں نے اس تجویز سے اپنی دلچسپی و ہمدردی کا اعلان کیا۔ سلطان ترکی بظاہر اس کے موافق نظر آئے۔

۱۸۹۷ء اور ۱۹۱۱ء میں تین لاکھ سے اوپر صیہونی یہودی موجود تھے ۱۹۱۱ء کے درمیان صیہونی ادارے نے نو بین الاقوامی مجالس برپا کیں۔ پہلی مجلس میں جو بیسل (BASLE) کے مقام پر منعقد ہوئی تھی، حسب ذیل سیاسی پروگرام منظور ہوا تھا:۔ صیہونیت (ZIONISM) فلسطین میں یہودی قوم کا ایک قانونی و جمہوری طور سے منظور شدہ مستقل گھر بنانا چاہتی ہے، جس کے لئے یہ مجلس حسب ذیل ذرائع اختیار کرنا ضروری سمجھتی ہے:۔ (۱) فلسطین میں یہودی کسانوں، تاجروں اور کاریگروں کی سکونت۔ (۲) مقامی یا عام گروہ بندیوں کی صورت میں تمام یہودیوں کی ایک فیڈریشن کا قیام (۳) یہودی جذبہ واحساس کا استحکام۔ اور (۴) حکومت سے ایسی منظوریاں اور مراعات حاصل کرنے کی مساعی جو اس صیہونی مقصد کی معاون ہوں۔"

اس کے بعد کی مجالس (CONGRESSES) نے مذکورہ بالا پروگرام کی ترقی کے لئے مختلف ذرائع پیدا کئے، مثلاً "کالونیل ٹرسٹ" (COLONIAL-TRUST) کے نام سے یہودی قوم کے ایک بنک کا اجرا جو سیاسی صیہونیت کا ایک مالی ہتھیار ہے۔ فلسطین میں زمین خریدنے کے لئے ایک قومی فنڈ کا قیام۔ اور ایک "فلسطینی کمیشن" کا قیام جس کے ماتحت متعدد سو سائٹیاں

فلسطین میں یہودیوں کی مجلسی و اقتصادی حالت کا معائنہ کریں گی، اور اُس کو بہتر بنائیں گی۔ اِن اداروں کو کامیابی سے چلانے کے لئے چار لاکھ پونڈ جمع کئے گئے اور بنک میں محفوظ کر دیئے گئے تھے۔

مئی سنہ ۱۹۰۱ء اور اگست سنہ ۱۹۰۲ء میں آسٹروی ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل (DR. THEODOR HERZL) سلطان عبدالحمید فرماں روائے سلطنت ترکی سے ملا۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ سلطان ترکی اُسے فلسطین کا چارٹر (CHARTER) فوراً عطا کرنے پر رضامند نہیں ہے۔ تو وہ سلطنت برطانیہ کی جانب مائل ہوا تاکہ فلسطین کے قرب میں ایک ایسا علاقہ حاصل کر سکے۔ جو آزاد و خود مختار ہو اور جو اُن مظلوم یہودیوں کے لئے ایک جائے پناہ اور سیاسی تعلیم گاہ کا کام دے جو عیسائی یورپی ممالک روس، جرمنی، آسٹریا اور رومانیا وغیرہ سے جلا وطن کر دیے گئے ہیں۔ اُس کی آواز پر مسٹر جوزف چیمبرلین (جو اُس وقت سیکریٹری نو آبادیات تھے) اور آرل پرسی (EARL PERCY) (جو محکمہ خارجہ میں انڈر سیکریٹری تھے) نے لبیک کہا۔

پہلے پہل ایک علاقہ جزیرہ نمائے سینائی (SINAI) میں تجویز کیا گیا۔ لیکن چونکہ وہ سرزمین بیحد خشک اور بنجر ہے، لہذا یہ تجویز مسترد ہو گئی۔ پھر مسٹر چیمبرلین نے افریقہ کے دورے سے واپس آکر، مشرقی افریقہ میں چھ ہزار مربع میل کا ناسین گیشیو (NASIN GISHIV) کا حدبی علاقہ ڈاکٹر ہرزل کو پیش کیا۔ یہ پیشکش سنہ ۱۹۰۳ء میں بسیل (BASEL)

چھٹی یہودی کانگریس میں برطانیہ کی جانب سے ہوئی ۔مگر قوم پرست انتہا پسند یہودیوں نے اس کے خلاف اِس بنا پر احتجاج کیا کہ اس سے فلسطین سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا ۔چنانچہ اگلے سال یہودی کانگریس نے اس پیشکش کو رد کر دیا ۔

ڈاکٹر ہرزل (DR. HEZL) شکستہ دل ہو کر ۱۹۰۴ء میں فوت ہو گیا اور اُس کی جگہ کولون (COLOGNE) کے ایک بینکر داؤد ولفسون (DAVID WOLFSON) نے لی ۔

اسرائیل زنگویل (ISRAEL ZANG WILL) نے ایک متوازی ادارہ "اِتو" (ITO) کے نام سے قائم کیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ برطانیہ کی مشرقی افریقہ میں علاقے کی پیشکش قبول کر لی جائے یا پھر کسی دوسرے علاقہ کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے ۔جہاں ایک آزاد و خود مختار یہودی حکومت قایم کی جا سکے ۔اس طرح ولفسون کے ماتحت صیہونی انتہا پسند یہودی طبقہ بالکل جدا ہو گیا جو محض فلسطین کو حاصل کرنے کے درپے تھا ۔ سلطنت ترکی سے دوبارہ گفت و شنید کا آغاز کیا گیا مگر ترکی انقلاب نے گفتگو مسدود کر دی ۔

۱۹۰۵ء اور ۱۹۱۰ء کے درمیان یہودیوں کا قومی تخیل دماغوں ہی میں پلتا رہا، عملی حیثیت سے کچھ نہ ہو سکا ۔فلسطین پر قبضہ کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہوا، نہ کسی دوسری جگہ یہودیوں کی خود مختار حکومت قایم ہو سکی ۔ ۱۹۰۸ء میں "اِتو" (ITO) کے ادارے نے ایک وفد سر نیکا،

(CYRENAICA) بھیجا مگر وہ جگہ بھی ناموزوں ثابت ہوئی۔ پھر مسٹر زنگو
نے میسوپٹیمیا (عراق) میں آبپاشی کی اسکیم کی آڑ میں قدم جمانے چاہے مگر
اس میں بھی ناکامی ہی رہی۔

۱۸۹۷ء سے لیکر ۱۹۱۳ء تک صیہونی یہودیوں کی مساعی فلسطین
حاصل کرنے میں ناکام رہیں اور سلطنت عثمانی کی طرف سے قطعی ناامید
ہوگئیں کہ وہ اپنا تسلط فلسطین پر سے ہٹانا پسند کرے گی۔ علاوہ ازیں ترکی
سلطنت کے منہدم ہونے کے بعد بھی یہ امر غیر متعین تھا کہ آیا دنیائے عیسائیت
بالخصوص روس اور یونانی عیسوی فرقے، فلسطین، خاصکر بیت المقدس
پر یہودیوں کا قبضہ ہو جانے دیں گے۔ لیکن برطانیہ کی یہودیوں کے ساتھ
عملی ہمدردی نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ جنگ عظیم اوّل [۱۹۱۴-۱۸ء] کے بعد
جرمنی کے ساتھ ترکوں کی شکست، اور مکہ کے غدار و وطن فروش حکمران
شریف حسین کی امداد نے اتحادیوں کے ہاتھ سے فلسطین فتح کرا دیا اور
ملک یہودی قوم کا "قومی گھر" بنا دیا گیا۔ نتیجتاً عرب مسلمان اپنے وطن میں
رہتے ہوئے بے وطن ہو گئے اور آقا غلام کی حالت میں بدل دیا گیا۔ لیکن
فلسطین میں یہ صورت حال دیرپا نہیں ہے۔ مغربی طاقتوں کا اثر کم ہوتے
ہی فلسطینی یہودی عرب مسلمانوں کے رحم پر رہ جائیں گے۔

زیتون کے باغات
عرب مسجد و خانقاہ
روسی نو آبادی
کنواری مریم کے مزار کا گرجا
ہیرودی پھاٹک
دمشقی پھاٹک
CHURCH OF HOLY SEPULCHRE
اسلامی حصہ شہر
نصرانی محلہ
صلیب گاہ
ZION
THE CITADEL
حرم شریف
مسجد اقصیٰ
مسجد عمر
یہودی محلہ
ارمنی محلہ
اسلامی قبرستان
یافہ والا پھاٹک
یہودی قبرستان
کوہ زیتون
مزارات
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
نصرانی قبرستان
بیت المقدس جدید

(۶)
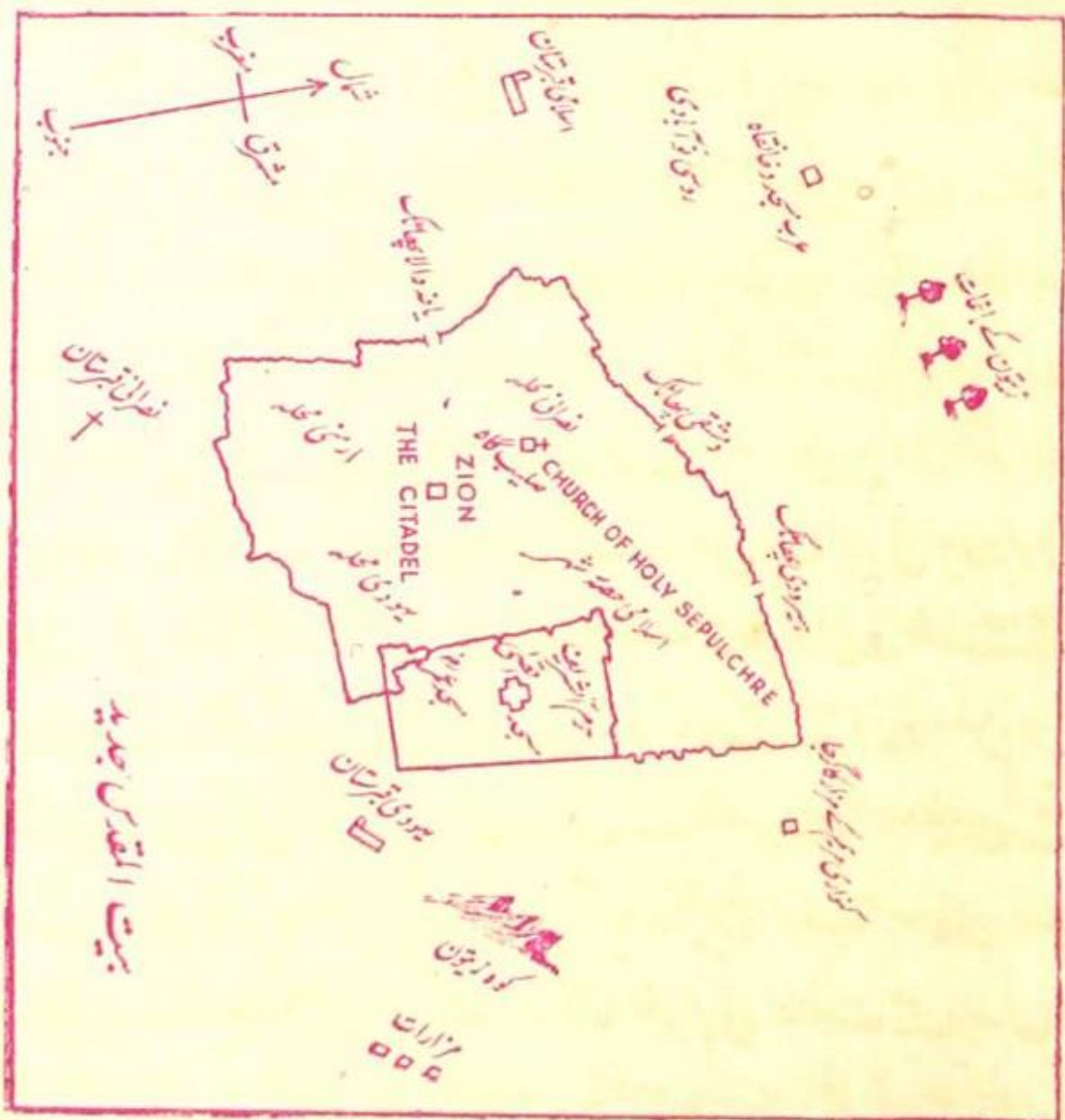
حکومت برطانیہ کی جانب سے انتدابی ذمہ داریوں کی تکمیل

ساٹھ ستر سال ہوئے ہوں گے کہ روس سے جلاوطن شدہ چند سو یہودی فلسطین میں جاکر آباد ہوئے تھے۔ آج وہاں یہودیوں کی تعداد اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ملک کسی طرح انھیں برداشت نہیں کرسکتا۔ ان کی موجودہ صحیح تعداد تو معلوم ہونا سخت دشوار ہے۔ لیکن وہ وہاں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں اور نو واردوں کا سلسلہ ہنوز مسدود نہیں ہوا۔ اصلی عرب مسلمان فلسطینی باشندے اکثریت سے اقلیت میں تبدیل ہوچکے ہیں۔ انکی جدی املاک فروخت ہورہی ہیں اور ان کی اقتصادی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی ہے۔

بیت المقدس میں ماؤنٹ اسکوپس (MOUN SCOPUS) پر جدید یہودی عبرانی یونیورسٹی قایم کی گئی ہے، جس کا سنگِ بنیاد ۱۹۱۸ء میں جنرل لارڈ ایلنبی (L. ALLENBY) نے رکھا تھا، اور جہاں ۱۹۲۴ء میں پہلا لکچر پروفیسر آئنسٹائن (EINSTEIN) نے دیا تھا۔ فلسطین کے لیے ۱۹۲۹ء کا سال بڑے شور و شر کا سال تھا اور یہ فساد وبے امنی وہاں کے لیے مستقل ہوچکی ہے کیونکہ اس کی بنیاد وہاں مستحکم ہوگئی ہے اور امن و آشتی کی کوئی توقع نہیں۔ اس افسوسناک صورت حال کی ذمہ دار سراسر حکومت برطانیہ اور اس کی یہود دوست پالسی ہے۔ ملک عرب میں یہودیوں کو برطانیہ نے اپنی مستعمرانہ پالسی کا آلۂ کار بنا کر رکھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ زیادہ

وسیع و زرخیز ممالک آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، کنیڈا یا جنوبی افریقہ میں لے جاکر کیوں نہ آباد کیئے گئے، جہاں فلسطین کا سا سیاسی مسئلہ بھی موجود نہ تھا، اور ملک بھی ان کو بہ آسانی اپنے اندر جذب کر سکتا تھا۔

لندن کے مشہور روزنامہ "ٹائمس" کی اطلاع کے بموجب اکتوبر ۱۹۳۳ء میں تمام فلسطین میں ہر جگہ عرب عیسائیوں اور مسلمانوں نے یہودیوں کے خلاف مظاہرات کیئے، جن میں متعدد عرب مارے گئے اور سینکڑوں عرب برطانی پولس کے ہاتھ سے مجروح ہوئے۔ یافہ کے مقام پر یہ افسوسناک حالت شدید تر تھی، اسی زمانے میں ملک شام میں بھی شورش پھیلی اور دمشق ایک وسیع مقتل بن گیا۔

متعدد ہوشمند یہودی اہل قلم نے فلسطین میں اس "یہودی قومی گھر" کے قیام کے خلاف گاہے ماہے آواز بلند کی ہے۔ ان میں سے ایم داؤد بونسل (M.DAVID BONCEL) اسحاق لائری (ISAAC LAERI) کوتسکی (KAUTSKY) اور ریناخ (REINACH) زیادہ معروف ہیں "فلسطین کی عرب مجلس عاملہ" (PALESTINE ARAB EXECUTIVE) نے فلسطین کے ساتھ عرب عیسائیوں اور مسلمانوں کی جانب سے بار بار برطانیہ کی اس یہود دوست پالیسی کے خلاف احتجاج کیا مگر بے سود۔ جلوس نکالے گئے، مظاہرات کیئے گئے، جو ہمیشہ برطانی پولس نے تشدد کے ساتھ دبائے اور بے شمار جانیں ضائع ہوئیں اور رعایا مجروح ہوئی۔ عرب بےچینی زیادہ تر اقتصادی بدحالی کی بنا پر ہے نہ کہ مذہبی عناد کے باعث۔ مگر حکومت برطانیہ کہتی ہے کہ وہ "اعلان

بالفور" (BALFOUR) کے باعث مجبور ہے۔

سر فلپ کنلیف لسٹر (SIR PHILIP CUNLIEFE LISTER) سکریٹری نوآبادیات نے لندن سے جو تقریر ۱۸/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو نشر کی تھی، اُس میں موصوف نے کہا تھا کہ۔

"برطانیہ بحیثیت ایک انتدابی طاقت کے عربوں اور یہودیوں دونوں سے متعلق اپنی ذمہ داریوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ اور کہ وہ ان ذمہ داریوں کو پورے طور سے اور ایمانداری سے بغیر کسی خوف یا مہربانی کے ادا کریگی۔ اس انتداب کے ماتحت برطانیہ کو فلسطین میں قوم یہود کے لئے ایک قومی گھر کے قیام کی خاطر آسانیاں فراہم کرنا ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ اس ملک کے دیگر باشندگان کے حقوق کی حفاظت بھی کرنا ہے۔ ان دونوں ذمہ داریوں کو بخوبی پورا کرنا ہے اور ملک میں امن و امان قائم رکھنا ہے"۔

ظاہر ہے کہ اس اعلان سے کوئی بھی خوش نہ ہوا۔ فلسطین میں آج سب سے بڑا جھگڑا یہودی نوواردان کی ایک حد مقررہ کرنا اور مسلمان عرب باشندوں کی آبائی زمینوں کو اُن کے ہاتھ سے نکل کر یہودیوں کے ہاتھ میں جانے سے روکنا ہے۔

ستمبر ۱۹۲۳ء میں "مجلس اقوام" نے فلسطین کی انتدابی حکومت مینڈیٹ (MANDATE) برطانیہ کے ہاتھ میں دی تھی اور برطانیہ کو کلی اختیارات دے تھے کہ وہ وہاں حکومت کرے، لیکن وہ ایسے ذرائع اختیار

کرے کہ فلسطین کے قدیم باشندے خوشحالی سے زندگی بسر کر سکیں۔ یہ فلسطینی باشندوں نے جن کی اکثریت مسلمان ہے، یہ توقع کی تھی کہ اُن کے جدید حکمراں جمہوری طریقہ کی کوئی دستوری حکومت عطا کریں گے۔ اُنھوں نے برطانیہ کو ایک منصف اور وضعدار قوم یقین کرتے ہوئے انتظار کیا تھا کہ اُن کے ساتھ التوائے جنگ اور مجلسِ اقوام کی پیدائش کے وقت جو وعدے کیے گئے تھے اُن کو پورا کیا جائے گا۔ لیکن نتیجہ نے ثابت کر دیا کہ وعدے فراموش کر دیے گئے ہیں اور ذمہ داریوں سے اغماض کر لیا گیا ہے۔ فلسطین کے عرب جائز طور پر بددل ہیں اور اُن کی مظلوم حالت پر تمام دُنیائے اسلام اور پرولیتیرین ملک دل سے اُن کے ہمدرد ہیں۔ اگر وہ حکومت خود اختیاری، مکمل شہری حقوق اور اجنبی نوواردوں کے خلاف معاہدہ چاہتے ہیں تو وہ بالکل حق پر ہیں۔ مجلس اقوام یا برطانیہ کو کوئی حق نہیں کہ وہ فلسطین کو اُس کے حقیقی باشندوں کی مرضی کے خلاف یہودی جلاوطنوں اور جرایم پیشوں کا گھر بنا دیں۔

۱۹۱۷ء میں لارڈ بالفور نے صیہونی عزایم کی پشت پناہی کی اور برطانیہ کی عسکری طاقت نے غیر ملکی یہودیوں کو پھر غریب مسلمان عرب فلسطینوں پر مسلط کر دیا۔ اور فلسطین عرب مسلمانوں کے ہاتھ سے نکال کر یہودیوں کو بخشد یا گیا۔ چنانچہ "اعلان بالفور" نہ صرف فلسطینی عربوں کے لیے بلکہ تمام دُنیائے اسلام کے لیے ایک نفرت اور بیزاری کی چیز ہے "شا کمیشن" اور "سمپسن رپورٹ" دونوں نے صاف طور سے واضح کر دیا کہ فلسطین کے اقتصادی ذرایع اس قابل نہیں ہیں کہ وہاں یہودیوں کو غیر محدود پیمانے پر آباد ہونے کی اجازت دی جا سکے

مگر برطانیہ نے ہنوز عربوں کی مصیبت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ چنانچہ فلسطین بے امنی کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔

مجلسِ اقوام کی "کوِننیٹ" (COVENANT) کی دفعات کی قلم ۔۔۔ کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں:۔ ممالک عرب کی منیڈیٹ (MANDATE) اور بہ الف (A) وہ علاقے ہیں:۔

"جہاں کے باشندے سیاسی ارتقا کی اُس منزل تک پہنچ چکے ہوں جہاں اُن کی آزادی و خودمختاری مشروط طریقے پر قبول کرلی جائے بشرطیکہ وہ انتدابی حکومت کی صلاح امداد کو اُس وقت تک تسلیم کریں جب تک کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوسکیں"

قومی حکومتِ خود اختیاری کا اصول، عام رائے شماری کے ذریعہ قومی حدود کا تصفیہ، اتحادیوں کے عربوں کو وہ وعدے کہ اگر وہ اپنے خلیفہ کے خلاف اُن کے ساتھ مل کر لڑیں گے تو انھیں مکمل قومی آزادی نصیب ہوسکے گی اور پریسیڈنٹ ولسن کے چودہ نکات، ان تمام امور کا تقاضا تھا کہ ملک عرب میں ایک آزاد فیڈرل متحدہ ریاست قائم کی جائے اور اتحادی ایسا کرنے پر اخلاقی اور قانونی طور سے مجبور تھے۔ مگر اخلاق اور قانون دونوں طاقِ نسیاں میں رکھے جاتے ہیں جبکہ خودغرضی و احسان ناشناسی کا پردہ آدمی کی آنکھوں پر پڑ جاتا ہے۔

۷ نومبر ۱۹۱۸ء کو برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں نے یہ ذمہ دارانہ اعلان باضابطہ طور پر کیا تھا کہ:۔

"سلطنت عثمانیہ کے ماتحت جو عرب علاقے تھے اُن کے متعلق ہماری پالیسی یہ ہے کہ وہاں کے باشندوں کو، جو ابتک ترکوں کے ظلم و ستم کا شکار رہے ہیں قطعی و مکمل آزادی دلانا تاکہ وہ اپنے ممالک میں اپنی خود مختارانہ قومی حکومتیں قائم کر سکیں، جہاں محض اصلی و قدیم باشندگان کا اختیارِ کُلّی ہو"

یہ بھی وہ ذمہ داری جس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ابتدائی اُصول مجلس اقوام کی "کوننیٹ" (COVENALT) میں داخل کیا گیا تھا، اور جو تسلط و تغلب کی پالیسی کے بالکل متضاد تھا۔ مگر عمل میں مؤخر الذکر پالیسی بروئے کار آئی اور تمام اعلانات اور وعدوں کے خلاف عرب علاقے فتحمند انگریزی اور فرانسیسی حکومتوں نے اپنے درمیان تقسیم کر لیے اور وہاں مالکانہ و غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ اِس طرح شام، شرقِ اردن، عراق اور فلسطین پر برطانیہ اور فرانس کی حکومتیں قائم ہو گئیں اور مجلس اقوام کی "عام رائے شماری" کا کوئی ذکر نہ آیا۔ عراق بعد ازاں نیم آزادانہ حالت میں چھوڑ دیا گیا۔

فرانس نے ملکِ شام کو پانچ حصّوں میں تقسیم کر دیا، اور شام کے اندر ایک جدید مرونی (MAROXNITES) عیسائی باشندوں کی علحدہ ریاست لبنان (LEBANON) کے نام سے قایم کر کے ایک نئے فتنہ کی بُنیاد ڈالدی، تاکہ فرانس کا پاؤں وہاں ہمیشہ جما رہ سکے۔ چنانچہ وہ ابتک وہاں "ثالث بالشر" کی حیثیت سے موجود ہے۔ فلسطین میں برطانیہ کا وجود اِس سے کسی طرح بہتر نہیں۔ مجلسِ اقوام کی خواہشات کے بالکل خلاف

فرانس اور برطانیہ کی حکومتوں نے اِن "اے کلاس مینڈیٹ"
(ACLASS MANDATES) کو اپنے ذاتی مقبوضات کی صورت میں
بدل دیا ہے۔

ڈاکٹر ہیم وِیسمن (DR.CHAIM WEIZMAN) "عالمگیر صیہونی
تحریک" (WORLD ZIONIST ORGANISATION) کا صدر ایک روسی
النسل یہودی ہے وہ اُن لوگوں میں ہے جو شروع سے فلسطین کو قوم یہود کا "قومی
گھر" بنانے کے درپے رہے ہیں جس وقت وہ مانچسٹر یونیورسٹی میں فن کیمیا
(CHEMISTRY) کا لکچرر مقرر ہوا۔ اُس وقت وہ یونیورسٹی مشہور
برطانوی مدبر آرتھر جیمس بالفور کے حلقہ (CONSTITUENCY) میں تھی۔
اِس طرح بالفور اور ویسمن کی دوستی کا آغاز ہوا، جس کے بعد بالفور نے صیہونی
عزائم کو کامیاب بنانے کا بیڑا اُٹھایا اور آخر کار فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ
کرا کے چھوڑا۔

جنگِ عظیم اوّل کے دوران میں بھک سے اُڑ جانے والے مادّوں
(EXPLOSIVES) کی تیاری کے لیے برطانیہ میں اکےٹون (ACETONE)
کا فقدان تھا جو صرف جرمنی سے دستیاب ہو سکتا تھا۔ یہ کیمیاوی عنصر اِس
یہودی ماہر کیمیا (CHEMIST) ڈاکٹر ویسمن نے مصنوعی طور سے
تیار کر کے حکومت برطانیہ کی بڑی پریشانی کا ازالہ کر دیا جس کا معاوضہ برطانیہ
نے فلسطین میں یہودیوں کو آباد کر کے دیدیا۔ آرتھر بالفور (ARTHUR
BALFOUR) ہربرٹ سیموئل (HERBERT SAMUEL) اور

مارک سائکس (MARK SYKES) نے یہودی دعاوی کی ترجمانی کی۔ آخر کار بیت المقدس کی تسخیر سے ایک ہفتہ قبل ۲ر نومبر ۱۹۱۷ء کو نفرت انگیز "اعلان بالفور" (BALFOUR DECLARATOIN) نشر کر دیا گیا۔ اس وقت وزیر نو آبادیات ایک یہودی مسٹر ایڈون مانٹیگ (MONTAGUE) تھے۔ مشہور یہودی محب قوم لارڈ راتھس چائلڈ (LORD ROTHSCHILD) کو مطلع کیا گیا کہ :-

"حکومت برطانیہ فلسطین میں قوم یہود کے لئے ایک قومی گھر کے قیام کو بنظر پسندیدگی دیکھتی ہے اور اس کے قیام کے مساعی میں ہر امکانی امداد دینے کو تیار ہے بشرطیکہ فلسطین کے غیر یہودی باشندوں کے شہری و مذہبی حقوق میں رخنہ اندازی نہ ہو۔"

ڈاکٹر وئیزمین (DR. WEIZMAUN) کے شریک کار روسی ڈاکٹر ناحم سوکولو (DR. NAHUM SOKOLOW) نے دیگر اتحادی طاقتوں یعنی فرانس اور اطالیہ، نیز پوپ سے اس اعلان سے اپنی موافقت کے پروانے حاصل کر لئے۔ اس طرح ورسائی (VERSAILLES) کی صلح کانفرنس میں "اعلان بالفور" وقیع شمار ہوا۔ سوکولو (SOKOLOW) نے ہی، صیہونی سفارت کے صدر کی حیثیت سے، کانفرنس مذکور میں فلسطین کو برطانی انتداب بنانے پر زور دیا۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کس طرح آرتھر بالفور کی ڈاکٹر وئیزمین سے دوستی اور پھر وئیزمین کا حکومت برطانیہ پر ایکے ٹون (ACETONE) کا نعم البدل

مصنوعی کیمیادی طریقے سے تلاش کر گے، احسان یہودیوں کو فلسطین حاصل ہونے میں معاون ہوئے۔ دیگر امور جو برطانیہ کی یہودی دوستی کا باعث ہوئے یہ تھے کہ اتحادیوں کو امریکہ میں روسی حکومت کے مخالف یہودی سرمایہ داروں کے بائیکاٹ کے باعث جنگی قرضہ ملنے میں دشواریاں درپیش تھیں، وہ فلسطین کے ذریعہ سے دور ہو گئیں ـــــ فلسطین ہی کے باعث روسی انقلاب، جس کے کرتا دھرتا زیادہ تر یہودی ہی تھے، برطانیہ دوستی کی طرف مائل ہوا سب سے زیادہ یہ کہ اس پیشکش کے باعث اتحادیوں کی موافقت کے لئے محاذ پر ریس محاذ لڑنے والے ہزار ہا جرمن یہودیوں کی وفاداری متزلزل ہو گئی ـــ بہر نوع مشرق قریب میں فلسطین برطانوی استعماریت کے لیے ایک وفادار یہودی السٹر (ULSTER) بنکر رہا۔

بیت المقدس کے اندر "دیوار گریہ" (THE WAILING WALL)

جغرافیائی حیثیت سے حرم شریف کی مغربی دیوار ہے اور دنیا میں یہودیوں کے لئے مقدس ترین چیز ہے ـــــ عماراتی حیثیت سے، اس کے نیچے کے بڑے بڑے ٹکڑے پتھر ہیروڈ (HEROD) زروبابل (ZERUBBOBEL) حضرت سلیمانؑ نے رکھے تھے۔ اُن کے اوپر چار درمیانے پتھروں اور رومیوں کے رکھے ہوئے ہیں اور اُن کے اوپر گیارہ مزید پتھر عربوں کے لگائے ہوئے تھے۔ نیز ترکوں نے ـــــــ قانونی حیثیت سے یہ حرم شریف کا ایک لازمی حصہ ہونے کی وجہ سے مسلمان عربوں کی ملکیت ہونے سے یہ ابو مدنیان وقف" میں شامل ہے، جسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے

کے آقا سلطان نورالدین زنگی نے مراکشی زائرین کی خاطر قائم کیا تھا۔ اب وہ مراکشی بیت المقدس کے اندر آباد ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اس کی ملکیت کے نہایت باقاعدہ معتبر قانونی دستاویزیں بیت المقدس میں "شیخ المغربہ" کے پاس محفوظ ہیں۔ جو مراکشی باشندوں کا شیخ اور اس وقف اور ابو معدیان کے مزار کا متولی ہے۔ غرضیکہ یہودیوں کا اپنی اِس نہایت محترم مذہبی دیوار پر کوئی "قانونی دعوی" کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر وینسمین نے اس کی خریداری کے لئے ڈیڑھ لاکھ پونڈ تک پیش کئے تھے مگر عربوں نے یہ تجارت قبول نہ کی۔ اور فلسطین کے مفتی اعظم حضرت الحاج امین آفندی کے آگے کچھ نہ چل سکی۔

متواتر چار صدی تک ممالک شام و فلسطین، جو درحقیقت ایک ہی ملک تھے مگر انتظاماً دو حصص میں منقسم تھے، ترکی سلطنت کے ماتحت رہے یہودیہ (فلسطین) کا گورنر "متصرف" کہلاتا تھا اور شام کا "والی"۔ دونوں ملک ایک ہی عسکری کمان کے ماتحت تھے۔ ۱۹۰۸ء کے "نوجوان ترکوں کے انقلاب" کے ماتحت یہ ممالک آزاد ہونا شروع ہوئے۔ مگر یہ آزادی دیرپا نہ تھی۔ جنگ عظیم اوّل کے ساتھ مصر، عراق، شام اور فلسطین نیز شرق اردن سب برطانیہ اور فرانس کے زیر تسلط آ گئے۔

فلسطین کے موجودہ مسلمان و نصرانی عرب باشندے اس ملک میں متواتر نسلاً بعد نسلاً بارہ سو سال سے زیادہ عرصے سے رہتے چلے آئے ہیں۔ اعلان بالفور ان قدیم فلسطینی باشندوں کے مشورے سے نشر و اجراء نہیں کیا گیا، بلکہ

سیاہ دھبوں سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں یہودیوں کا ۱۹۳۶ء تک مالکانہ قبضہ ہو گیا تھا۔
اس کے بعد سے ۱۹۴۵ء تک ہزاروں ایکڑ مزید علاقے پر وہ قابض ہو چکے ہیں۔

قوم یہود کو استبدادی طریقہ سے اُن پر بجبر مسلط کر دیا گیا۔ سب سے زیادہ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ اس اعلان میں عربوں کا کوئی ذکر ہی نہیں یعنی فلسطین کے باشندے یہودی اور "غیر یہودی قومیں" بتائے گئے ہیں۔ مزید یہ کہ جہاں ان فلسطینی "غیر یہودی اقوام" کے مذہبی و شہری حقوق کے تحفظ کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اُن کے سیاسی حقوق کا کوئی حوالہ ہی نہیں گویا کہ اُن کو اپنے ملک کی سیاست سے کوئی سروکار نہیں۔

زاں بعد صیہونی ادارے کی جانب سے جو "صیہونی کمیشن" فلسطین میں قائم کیا گیا اور جس کی نمایندگی کو حکومت برطانیہ نے سرکاری حیثیت سے قبول کیا۔ وہ صحیح معنی میں فلسطین کے اندر برطانی حکومت کے زیر سایہ یہودی حکومت تھی۔ پھر ستم ظریفی یہ کہ جب ۱۹۲۱ء میں مسلمان اور عیسائی فلسطینی عربوں کا مشترکہ وفد لندن پہنچا تاکہ حکومت برطانیہ کی فلسطین کے متعلق پالیسی کی توضیح چاہے تو اُسے ہدایت کی گئی کہ وہ اس یہودی کمیشن سے گفت و شنید کرے۔ حقیقت یہ تھی اور اب بھی ہے کہ سربرآوردہ یہودیوں میں سے اکثر برطانی وزراء اور مدبرین کے دوست رہے ہیں۔ چنانچہ عربوں کے خلاف انھیں ہر قسم کی آسانی میسر ہے۔ یہودیوں کے اثرات کا اندازہ صرف ایک اس مثال سے کیا جاسکتا ہے کہ جب ۱۹۲۲ء میں شہنشاہ برطانیہ کی سالگرہ واقع ہوئی تو اتفاقاً وہ یہودی سبت کا دن تھا۔ چنانچہ فلسطین میں وہ دو دن کے التوا کے بعد منائی گئی۔ حالانکہ اس سے ایک سال پیشتر ۱۹۲۱ء میں یہ سالگرہ جمعہ کے روز پڑی تھی اور فلسطین میں مسلمانوں

کی پرواہ کیے بغیر منائی گئی تھی۔

یہودیوں کے ساتھ فلسطین پر ایک نئی بلا عبرانی زبان کی صورت میں مسلط ہوئی ہے۔ یہودیوں نے عربی زبان کا بائیکاٹ کر دیا شہروں قصبوں اور بازاروں کے نام عبرانی میں منتقل ہو رہے ہیں، حکومت اور میونسپلٹی اور دیگر محکموں کے کاغذات عبرانی میں لکھے جانے لگے۔

صلحنامۂ ورسائی (VERSAILLES) سے پہلے تجویز یہ تھی کہ ممالک شام و فلسطین کی ایک متحدہ انتدابی حکومت ہو جس کا دستوری بادشاہ امیر فیصل ابن شاہ حسین کو بنایا جائے۔ مگر صلحنامۂ ورسائی نے اس متحدہ ملک کو دو علیحدہ علیحدہ انتدابی حکومتوں (شام و فلسطین) میں تقسیم کر دیا۔ فلسطین سے شرق اردن (TRANS-JORDAN) الگ رہا اور ملک شام کو فرانسیسیوں نے پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا اور چھٹے حصہ میں بیروت کے مقام پر فرانس کا شامی ہائی کمشنر مقرر کیا گیا۔

فلسطین میں عربوں کے ساتھ مختلف اقسام کی زیادتی و بے انصافی ہوئی۔ صرف یہی نہیں کہ برطانیہ نے یہودی نوواردوں کی جو سالانہ تعداد مقرر کی تھی اُس سے ہر سال دوگنی تعداد غیر قانونی طور پر فلسطین میں داخل ہوتی رہی ہے۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں یہودیوں نے ایک منظم سازش کر کے خود کو مسلح کرنا شروع کر دیا۔ خفیہ طور پر بے شمار اسلحہ و آلاتِ جنگ یہودی علاقوں میں پہنچ گئے۔ مثلاً اکتوبر سنہ ۱۹۳۵ء میں یافہ کی بندرگاہ میں ایک یہودی اسحاق کا تان کے نام کنستر تیل اور بیم (MAVBJET) کے نام کئی سیمنٹ کی بوریاں پہنچیں۔ مگر جب محکمہ کسٹم کے

افسروں نے انھیں کھول کر دیکھا تو ۵۹ ۳ بوریوں میں تین سو رائفلیں، ۵۰۰ سنگینیں اور چار لاکھ کارتوس برآمد ہوئے (ملاحظہ ہو کتاب "PALESTINE ON THE EVE" BY LADISLAS FARAGO.)

۱۹۳۰ء کے "قرطاس ابیض" (WHITE PAPER) میں وعدہ کیا گیا تھا کہ فلسطین میں آبادی کے تناسب سے مجلس مقننہ (LEGISLATIVE ASSEMBLY) قائم کی جائے گی۔ یہودیوں نے اسکی بڑی مخالفت کی، کیونکہ اُن کی آبادی کا تناسب کم تھا۔ مگر دسمبر ۱۹۳۵ء میں فلسطین کے ہائی کمشنر نے اسمبلی کے قیام کا اعلان کر دیا۔

فلسطین کی ڈاک کے اسٹامپ بھی عربوں کے لئے سخت قابل اعتراض ہیں کیونکہ ان پر یہودیوں کی خوشنودی کے لئے عبرانی زبان میں الفاظ ارض اسرائیل (ERETZ YASROEL) کے ہر دو ابتدائی حروف E.Y. چھپے ہیں، ان الفاظ کے معنی ہیں "مملکت بنی اسرائیل" یہ عربوں کی صریحی حق تلفی ہے۔

۱۹۳۶ء میں ایک "رائل کمیشن" فلسطین کے سیاسی حالات کا مطالعہ کرنے اور سفارشات کرنے پر متعین کیا گیا۔ اس نے اپنا کام ۱۹۳۷ء میں ختم کیا۔

مارچ ۱۹۳۸ء میں ووڈ ہیڈ ٹیکنیکل کمیشن (WOODHEAD TECHNICAL COMMISSION) مقرر کیا گیا تاکہ وہ رائل کمیشن کی سفارشات کے عملی پہلوؤں پر غور کر کے اپنی رائے دے۔ کمیشن نے فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی رائے دی تھی۔ ایک ساحلی علاقہ یہودی آبادی کے لئے، دوسرا کوہستانی علاقہ عربوں کے لئے "پیل کمیشن" (PEEL COMMISSION) کی بھی

یہی رائے تھی۔ مگر تقسیم کی رائے ناکام رہی۔ آخر کار مئی ۱۹۳۹ء میں حکومت برطانیہ نے "چارٹر آف پیلسٹائن" (CHARTER OF PALESTINE) کے نام سے فلسطین کے متعلق اپنی پالیسی کا ان تین بنیادوں پر اعلان کر دیا: یعنی دستور حکومت یہودی نوواردوں کی آمد و قیام کا تناسب اور فلسطین کے قدیم باشندوں کی املاک کا تحفظ ـــــ دستور حکومت کے سلسلے میں یہ توضیح تھی کہ فلسطین میں قوم یہود کا قومی گھر بنایا جائے گا اور فلسطین کو ایک خود مختار حیثیت دے دی جائے گی یہودی نوواردوں کا تناسب اس طرح قائم کیا گیا کہ اس تاریخ سے اگلے پانچ سال تک کے لئے پچھتر ہزار کی تعداد مقرر کر دی گئی۔ تیسری چیز کے متعلق یہ احکام جاری ہوئے کہ ہائی کمشنر فلسطین کے قدیم باشندوں کی ذاتی املاک اور زمینداریوں کو یہودیوں کے ہاتھ میں فروخت ہونے سے روکیں۔ چنانچہ ۸ فروری ۱۹۴۰ء کو ایک "قرطاس ابیض" نے قانون انتقال آراضیات فلسطین PALESTINE (LAND TRANSFERS REGULATIONS) کا اجرا کر دیا۔ یہودیوں نے اس قانون کے خلاف سخت احتجاج کیا۔*

جنگ عظیم اول سے قبل فلسطین ملکِ شام میں اور وسیع ترکی سلطنت کی اس عربی مملکت کا ایک حصہ تھا جو سواحل بحر روم سے لے کر ایران تک

---

* "یہودیت اور فلسطین" از سر رونلڈ اسٹارس۔ لندن ۱۹۴۰ء۔

"ZIONISM AND PALESTINE" BY SIR RONALD STORRS.

پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی کوئی جداگانہ سیاسی حیثیت نہ تھی اور فلسطینی عرب خود کو شامی ہی کہتے تھے۔ ۱۹۲۱ء میں لارڈ جارنس نے اس کی جغرافیائی حد بندی کی تھی۔ وہ حسب ذیل ہے۔ طول دان (DAN) سے بیرشیبہ (BEERSHEBA) تک تقریباً ۱۸۰ میل اور عرض دریائے اردن (JORDON) سے ساحل بحر روم تک شمال میں ۵۰ میل سے کم اور جنوب میں ۷۰ میل تک ہے۔

فلسطین ترکوں کے زیر تسلط سولھویں صدی عیسوی میں آیا تھا لیکن ترکوں کے ماتحت عرب اپنی املاک پر بدستور قابض رہے۔ یہ حالت نپولینی لڑائیوں تک قائم رہی جبکہ فلسطین کے جنوب میں فرانسیسی نوآبادیاں بس گئیں۔ اس کے بعد فلسطین پر مصری تسلط کا دور رہا، لیکن پھر ترک اس پر قابض و متصرف ہو گئے۔

جنگ عظیم اوّل کے دوران میں، ۱۹۱۵ء میں، وہ مشہور برطانی سیاسی ایجنٹ وہاں وارد ہوا جسے دنیا کرنل لارنس کے نام سے جانتی ہے۔ اس شخص نے عربوں کو ترکی حکومت کے خلاف بھڑکایا اور یہ وعدہ کیا کہ برطانیہ کی امداد ان کی مکمل قومی آزادی کا باعث ہوگی، جو انھیں جنگ کے بعد حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ عرب دھوکہ کھا گئے۔ وہ ترکوں سے برطانیہ کی خاطر لڑے، مگر ان کی اس بغاوت سے ترکی کو نقصان پہنچ گیا مگر خود انھیں کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ برطانیہ نے وعدہ خلافی و عہد شکنی کی اور وہ آج پہلے سے بھی زیادہ غلام و بے بس ہیں۔

۱۹۱۵ء میں مصر میں برطانی ہائی کمشنر سر ہنری میک موہن

تھا۔ اُس نے شریف حسین، والی حجاز، (SIR HENRY MC MOHAN) سے یہ تحریری وعدہ کیا تھا، جس کی حیثیت معاہدہ یا صلحنامہ سے کسی طرح کم نہ تھی، کہ عرب اپنی جان و مال سے ترکوں کے خلاف برطانیہ کو مدد دیں گے اُس کے معاوضے میں اُن کا تمام ملک ایشیائے کوچک کے جنوب میں بحر روم سے لے کر ایران تک کلیتاً آزاد کر دیا جائے گا۔
لائڈ جارج اُس زمانے میں برطانیہ کا وزیر اعظم تھا۔

جس زمانے میں کہ میکموہن شریف حسین مُراسلت و مکاتبت جاری تھی، بالکل اُسی وقت برطانیہ اور فرانس کے مابین ان عربی ممالک کی آپس میں تقسیم کے متعلق خفیہ گفت و شنید ہو رہی تھی۔ چنانچہ مئی ۱۹۱۶ء میں برطانیہ کی جانب سے سر مارک سائکس (SIR MARK SYKES) اور فرانس کی طرف سے ایم جارجیس پکاٹ (M.GEORGES PICOT) نے اُس معاہدے پر دستخط کئے جسے سائکس پکاٹ (SYKES PICOT) معاہدہ کہا جاتا ہے اور جس کی رو سے بحر روم اور خلیج ایران کے درمیانی ملک کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے فرانس اور برطانیہ کے مابین بانٹ لیا گیا۔ فلسطین کے متعلق یہ طے پایا کہ اس کی ملکیت کا فیصلہ جداگانہ طور پر روس، فرانس اور برطانیہ قطعی طور پر کریں گے۔

اسی وقت برطانی وزیر اُمور خارجہ سر ایڈورڈ گرے (SIR EDWARD GREY) فلسطین کو یہودیوں کے حوالے کرنے کی تجویزیں سوچ رہا تھا، چنانچہ ۱۳ مارچ ۱۹۱۶ء کا گرے میمورنڈم

سلطنت روس کے دارالحکومت پیٹروگراڈ (PETROGRAD) میں برطانی سفیر سر جارج بوچینن (SIR GEORGE BUCHANAN) نے روسی وزیرِ خارجہ ایم سازنوف (M.SAZNOFF) کو پیش کیا تھا، جس کی رو سے فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم کرنے کی تجویز کی گئی تھی۔

آخر کار نومبر ۱۹۱۷ء میں برطانی وزیرِ خارجہ لارڈ بالفور LORD BALFOUR نے فلسطین کو یہودیوں کا قومی گھر بنانے کا اعلان کر دیا اور اس کی خوشخبری خود مشہور یہودی سرمایہ دار بیرن راتھس چائلڈ (BARON ROTHSCHILD) کو دی۔

یہ تمام اُمور عربوں سے چھپائے گئے، تاکہ عرب یک لخت بددل نہ ہو جائیں اور جنگ پر اس کا اثر پڑے۔ مگر شریف حسین کے کان میں اِنکی بھنک پڑ گئی اور اُس نے برطانی نمایندہ متعینۂ جدّہ کرنل بیسٹ (COL-BASSET) سے اِن اُمور کی تصدیق یا تردید چاہی۔ جس پر ۸ فروری ۱۹۱۸ء کو نہایت ڈھٹائی سے لارڈ بالفور نے خود شریف حسین کو خط لکھا اور دروغ گوئی سے اُس کی ڈھارس بندھائی۔

التوائے جنگ کے بعد ۱۹۱۹ء میں صلح کانفرنس پیرس میں شہزادہ فیصل اپنے باپ شریف حسین کی طرف سے عربوں کی آزادی کا پروانہ حاصل کرنے اور برطانیہ کے ایفائے عہد کا تقاضا کرنے کے لئے پہنچے مگر پیرس اور لندن دونوں مقامات پر فیصل کو ان کی غیر معمولی آؤ بھگت، شاندار مہمان نوازی اور دعوتوں میں

بہلا لیا گیا اور پھر آخر میں اُنھیں عراق کی برائے نام بادشاہت دے کر چپ کر دیا گیا۔ کرنل لارنس شروع سے آخر تک ہر جگہ فیصل کے ساتھ اُن کے مشیر کی حیثیت سے رہا۔ پیرس کے قیام کے زمانے ہی میں فیصل سے ایک عہد نامہ لکھا لیا گیا، جس کی عبارت لارنس کے دماغ کی اور دستخط فیصل کے ہاتھ کے تھے۔ یہی فریب کارانہ معاہدہ آج تک یہودی اپنی جانب سے پیش کیا کرتے ہیں۔

۱۹۲۹ء کے یہودی عرب فسادات فلسطین کے باعث وہاں کے حالات کی تحقیقات کرنے کے لئے جب ایک سرکاری کمیشن مقرر کیا گیا اور اُس کے سامنے فیصل کے متذکرہ بالا عہد نامہ کی نقلیں پیش کی گئیں تو عرب دم بخود رہ گئے۔ اور جب فلسطینی عرب رہنما عونی بے عبدالہادی نے فیصل کو جو اُس وقت عراق کے بادشاہ تھے لکھا تو اُنھوں نے اس معاہدے کو بالکل فرضی بتایا۔ شاہ فیصل کا یہ جواب اُن کے پرائیوٹ سکریٹری رستم بے حیدر نے دیا تھا۔

صلح کانفرنس پیرس ہی میں فرانس نے سائکس پکاٹ عہد نامہ کے مطابق ملک شام کی حکومت کا مطالبہ کیا۔ اس پر ریاستہائے متحدہ امریکہ کے صدر ولسن (WILSON) نے ہنری کنگ (HENRY KING) اور چارلس کرین (CHARLES CRANE) پر مشتمل ایک کمیشن شام کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے مقرر کیا۔ اس کمیشن نے جو رپورٹ پیش کی وہ برطانیہ اور فرانس کے مفاد کے خلاف تھی۔ چنانچہ کرین کنگ کی رپورٹ

(CRANE-KING RERORT) دبا دی گئی اور دسمبر ۱۹۲۲ء سے
پیشتر دُنیا کو اِس کا پتہ نہ لگا، اُس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ امریکی صدر ولسن
یوروپی مدبرین کی درندگی کے مشاہدے سے بددل ہوکر واپس امریکہ چلا گیا
تھا۔ اس رپورٹ کی کوئی پرواہ کیئے بغیر ۱۵ ستمبر ۱۹۱۹ء کو ہی برطانیہ
اور فرانس نے ایک باہمی معاہدہ کر لیا تھا جسکی رو سے شام پر فرانس قابض
ہوگیا تھا اور عراق و فلسطین پر برطانیہ۔ اور ان مقامات پر ان ہر دو یوروپی
اقوام کا عسکری تسلط و نظام قایم ہوگیا۔ پھر ۲۵ اپریل ۱۹۲۰ء کو سان ریمو
(SAN REMO) کے مقام پر مجلس اقوام کی سُپریم کونسل نے فلسطین کا
انتداب (MANDATE) باقاعدہ طور پر برطانیہ کو بخش دیا اور
برطانیہ نے اس کا وہاں باقاعدہ اجرا ۲۹ ستمبر ۱۹۲۳ء سے شروع کر کے بیت المقدس
وغیرہ میں نو وارد یہودیوں کو آباد کرنے اور فلسطینی عربوں کو بے دخل
کرنے کی پالیسی کا آغاز کر دیا۔

فلسطین میں سب سے پہلا عرب یہودی فساد ۱۹۲۰ء میں رونما ہوا۔
ایک فوجی کمیشن اس کی تحقیقات کے لیئے بیٹھا، مگر اُس کی رپورٹ شایع
نہیں ہوئی۔ یکم جولائی ۱۹۲۰ء کو فلسطین میں عسکری نظام ختم ہوکر
کشوری (سِول) (CIVIL) نظام شروع ہوا، اور سر ہربرٹ سیموئل
(SIR HERBERT SAMUEL) پہلا ہائی کمشنر مقرر ہوا۔ ستمبر ۱۹۲۰ء
میں پہلا قانونِ نو واردین (IMMIGRATION ORDINANCE)
بنایا گیا، اور ہائی کمشنر نے پہلے سال ہی فلسطین میں ۱۶۵۰۰ نو وارد یہودیوں کو باہر سے

آکر آباد ہونے کی اجازت دی۔

۱۹۲۱ء میں دوبارہ عرب یہودی فسادات برپا ہوئے جو یہودی شہر تل ابیب (TEL AVIV) اور یافہ میں شدید تر تھے۔ اُس وقت مسٹر ونسٹن چرچل برطانوی وزیر نو آبادیات تھے۔ مسٹر چرچل خود فلسطین آئے اور اِن فسادات کی تحقیقات کے لیے دوسرا کمیشن نامزد ہوا جس نے اس کی بنا صیہونی نو واردوں کی فلسطین میں غیر معمولی ورود بتائی۔ اس کے بعد ۳ر جون ۱۹۲۲ء کو چرچل میمورنڈم شائع ہوا۔ اگست ۱۹۲۲ء میں فلسطین کی پُر امن حکومت کے لئے ہائی کمشنر نے ایک دستور مرتب کیا اور ایک مجلس مقننہ کی تجویز کی، لیکن عربوں نے حکومت اور مجلس مقننہ دونوں میں یہودیوں کی مساویانہ نیابت و نمائندگی کو قبول نہ کیا۔

۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۹ء کے درمیان نسبتاً امن رہا۔ ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۵ء کے درمیان اسّی ہزار نو وارد یہودی فلسطین میں داخل ہوئے محض ایک سال ۱۹۲۵ء میں ۳۳۰۰۰ یہودی نو وارد فلسطین میں پہنچے۔ ۱۹۲۸ء میں عربوں نے ایک نمائندہ پارلیمنٹ کے قیام پر زور دیا اور ۱۹۲۹ء میں ہائی کمشنر سر جان چانسلر مفاہمت کے لیے لندن گیا۔ ۲۴ر ستمبر ۱۹۲۸ء کو "دیوار گریہ" والا مشہور فساد واقع ہوا۔ پھر اگست ۱۹۲۹ء میں سخت فسادات رونما ہوئے جن میں بے شمار عربوں اور یہودیوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ ان فسادات کی تحقیقات کے لیے ایک تازہ کمیشن بیٹھا، جسے شا کمیشن کہا گیا۔ اس کمیشن نے عربوں کی موافقت میں فیصلہ کیا۔ مئی ۱۹۳۰ء میں مجلس اقوام کی کونسل نے "دیوار گریہ کمیشن" کے نام سے

ایک وفد اس جھگڑے کے فیصلے کے لئے مقرر کیا۔ اسی مہینے میں سر جان ہوپ سمپسن (SIR JOHN HOPE SIMPSON) فلسطین تمام جھگڑوں کا تصفیہ کرنے کے لئے آئے۔ ہوپ سمپسن رپورٹ اور اس کے ساتھ وزیر اعظم برطانیہ کا قرطاس ابیض (WHITE PAPER) دونوں ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو شائع ہوئے جن میں عربوں کی اشک شوئی کرنے کی سعی کی گئی لیکن یہودیوں کی چیخ پکار پر ۱۳ فروری ۱۹۳۱ء کو وزیر اعظم برطانیہ مسٹر ریمزے میکڈانلڈ (R.MAC DONALD) نے ڈاکٹر ویزمن (DR.WEIZMANN) کی خاطر ۱۹۳۰ء کے قرطاس ابیض کی خلاف ورزی کی۔

۱۹۳۳ء میں تیس ہزار اور ۱۹۳۴ء میں بیالیس ہزار نووارد یہودی یورپ کے مختلف ممالک سے آکر فلسطین میں داخل ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں پھر فسادات رونما ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں صیہونی نوواردوں کی تعداد [illegible] تک پہنچ گئی۔ اسی نسبت سے عرب آبادی اپنی زمینوں سے محروم ہوتی گئی اور ۱۹۳۵ء میں صرف حیفہ کے مقام پر گیارہ ہزار بے خانماں عرب غیر مستقل طور پر ٹین کے جھونپڑوں میں پڑے ہوئے تھے۔

۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء کو فلسطین میں نہایت سخت عرب یہودی فسادات برپا ہوئے۔ ۲۹ جولائی ۱۹۳۶ء کو ایک شاہی کمیشن بنام "پیل کمیشن" فلسطین پہنچا۔ اس سال کا بڑا حصہ عرب ہڑتالوں کی نذر ہوا۔ اس کمیشن نے جولائی ۱۹۳۷ء میں اپنی رپورٹ پیش کی جس میں فلسطین کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کر دینے کی سفارش کی۔ چنانچہ سر جان ووڈہیڈ

(SIR JOHN WOODHEAD) کے ماتحت 'ووڈہیڈ کمیشن'، اس تجویز پر نظرثانی کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ جس نے اکتوبر ۱۹۳۸ء میں یہ فیصلہ کیا کہ فلسطین کی تقسیم ناقابل عمل ہے۔ اس زمانے میں برطانی حکومت نے عربوں کو جبر و تشدد سے دبانا چاہا مگر "عرب بغاوت" پھر بھی دبائی نہ جاسکی حضرت الحاج امین آفندی الحسینی، مفتی اعظم، بیت المقدس، اور دیگر عرب رہنما گرفتار کرکے جزیرہ سیشلز (SEYCHELLES) وغیرہ کو جلاوطن کر دیئے گئے۔ سینکڑوں عربوں پر مقدمہ چلایا گیا، جن میں سے ۵۴ عربوں کو سزائے موت اور ۳۸ کو حبس دوام کی سزا دی گئی۔ جب عرب اس پر بھی زیر نہ ہوئے تو مجبور ہو کر برطانی حکومت نے لندن میں فلسطینی عربوں اور یہودیوں کو ایک گول میز کانفرنس میں مدعو کیا، فروری اور مارچ ۱۹۳۹ء میں یہ کانفرنس واقع ہوئی اور ۱۷ مئی ۱۹۳۹ء کو ایک جدید "قرطاس ابیض" شائع ہوا۔ جس میں یہ طے کیا گیا کہ "آیندہ تین سال کے دوران میں پچھتر ہزار نووارد یہودی فلسطین میں داخل کیئے جائیں گے۔ پانچ سال کے بعد فلسطین میں یہودیوں کا داخلہ عربوں کی مرضی سے طے ہوگا۔ فلسطین کو یہودی سلطنت کی شکل میں تبدیل نہ کیا جائے گا۔ اور ضروری نہیں ہے کہ یہودیوں کا فلسطین میں داخلہ ملک کی اقتصادی صلاحیت تک جاری رکھا جائے اور اس بارے میں عربوں کی سیاسی تمنائیں گوش گزار نہ کی جائیں"۔ یہ صورت حال اب تک فلسطین میں قائم ہے جس کے خلاف یہودی شورش برپا کئے ہوئے ہیں۔

۱۹۳۹ء میں یورپ میں جنگ عظیم ثانی کا آغاز ہوا جو اگست ۱۹۴۵ء میں ختم ہوئی۔ اس دوران میں فلسطین عرب یہودی زور آزمائی سے نسبتاً بری رہا۔ مگر اس جنگ کے ختم ہونے ہی دوگنی شدت سے پچھلے جمود و سکون کا ردعمل شروع ہوگیا۔ یکم اگست ۱۹۴۵ء کو عالمگیر صیہونی ادارے کے صدر ڈاکٹر حیم وائسمین (DR.CHAIM WEIZMANN) نے پوٹسڈم (POTDAM) میں امریکی صدر روزویلٹ، مارشل اسٹالین اور وزیر اعظم چرچل کی میٹنگ میں درخواست کی کہ فلسطین کو یہودی ریاست کی صورت میں منتقل کر دیا جائے۔ ۳ر اگست کو یہی مطالبہ لندن سے ادارہ مذکور کی جانب سے دوبارہ کیا گیا۔ برطانیہ کی لیبر پارٹی نے عروج و طاقت پانے سے پیشتر اپنے انتخابات کے وقت فلسطین میں یہودیوں کو مدد دینے کا وعدہ کیا۔ ۱۹ر اگست کو عرب لیگ کے معتمد عمومی اعظم بے نے اسکندریہ سے اعلان کیا کہ امریکی صدر روزویلٹ نے شاہ ابن سعود سے وعدہ کیا تھا کہ وہ عربوں کی خواہش کے خلاف فلسطین میں یہودیوں کو مدد نہ دیں گے۔ ۲۵ر اگست کو مفتیٔ اعظم بیت المقدس الحاج امین الحسینی کو جنگی مجرم نامزد کیا گیا۔

۱۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو امریکی صدر ٹرومین (TRUMAN) نے برطانیہ سے درخواست کی کہ فلسطین میں فوراً ایک لاکھ یوروپی یہودیوں کو داخلہ کی اجازت دی جائے۔

۲۸ ستمبر سے فلسطین میں مسلح یہودی دہشت انگیزوں نے قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بم پھینک کر عمارات بارود سے اڑانے اور کشت و خون و دہشت انگیزی کا آغاز کیا، تاکہ حکومت برطانیہ کو دھمکایا اور عربوں کو ڈرایا جائے۔ یافہ کے شمال میں ساحلی اور [illegible] یہودی شہر تل اویو (TEL AVIV) اس یہودی بربریت کا مرکز ہے۔ یہودی ۱۹۳۹ء کے قرطاس ابیض کو توڑنے اور فلسطین کو یہودی قومی گھر اور یہودی ریاست کی شکل میں منتقل کرنے کے درپے ہیں۔ دوسری جانب عرب ایک نئے یہودی کے داخلے پر بھی اب رضامند نہیں ہیں۔ برطانیہ نے یہودیوں کے تشدد و قانون شکنی کے پیش نظر فلسطین میں برطانوی افواج بڑی تعداد میں بھیجی ہیں۔ برطانیہ نے امریکہ سے درخواست کی ہے کہ وہ دونوں ممالک مل کر فلسطین کے اس اہم عرب یہودی مسئلہ کا کوئی عمدہ حل سوچیں۔ چنانچہ ایک برطانوی امریکی کمیشن حالات کا مطالعہ کر کے اپنی رپورٹ ایک ڈیڑھ یا تصفیہ کے لیے پیش کرنے کی خاطر مقرر کیا گیا۔ بدقسمتی سے یہ ہے کہ امریکی صدر اور امریکی مدبر عربوں کے خلاف فلسطین میں یہودیوں کی طرفداری کر رہے ہیں۔

۳ / اکتوبر کو میجر جنرل سر ایڈورڈ اسپیئرز MAJ.-GEN. SIR EDWARD SPEARS نے جو ۱۹۴۲-۴۴ء میں شام اور لبنان میں برطانوی وزیر رہ چکے ہیں، اخبارات کو اپنا یہ اعلان دیا کہ یہودیوں کے مطالبات کی کوئی اخلاقی بنیاد نہیں ہے اور فلسطین ہرگز کبھی ایک یہودی ریاست نہیں بن سکتا۔

۱۱ر اکتوبر کو یہودی دہشت انگیزوں نے ایک فوجی اڈے کو لوٹ لیا
اور بہت سے اسلحہ وغیرہ لے گئے۔ یہی حادثہ تھا جس نے ہائی کمشنر لارڈ گارٹ
(VISCCUNT GORT) کے لئے گھٹنے ٹیکنے کی صورت پیدا کی۔
جمعہ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو تمام ہندوستان میں مسلم لیگ اور قائد اعظم
محمد علی جناح کی تحریک پر عربوں کی حمایت میں اور فلسطین میں برطانیہ
کی یہود دوست پالیسی کے خلاف "یوم فلسطین" منایا گیا۔ ۳۰ر اکتوبر
سے ہمسایہ ممالک سے عرب فلسطین میں داخل ہونے شروع ہوئے۔
۲ر نومبر کو فلسطین میں عربوں نے احتجاجاً ہڑتال کی اور تمام کام
کاج بند رہا۔
۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو مشہور خبر رساں ایجنسی رائٹر کا نمائندہ "ہگانہ"
(HAGANA) نامی یہودی پُراسرار سوسائٹی کے ایک کارکن سے
عجیب وغریب طریقہ سے ملا اور اخبارات کو اعلان بھیجا کہ بیت المقدس اور
فلسطین کے دیگر یہودی مراکز میں تمام یہودی مسلح ہیں۔ ان کے پاس
سامان جنگ کے بڑے ذخائر موجود ہیں اور ان کے جانباز نوجوان بڑی
تعداد میں ہر جانی قربانی کے لئے آمادہ ہیں۔ اگر برطانیہ بخوشی ان کے
مطالبات پورے نہ کرے گی تو وہ بجبر فلسطین پر قبضہ کرنے کا عزم
رکھتے ہیں۔
۴ ۔ وہ برطانی امریکی کمیشن جس کا مقصد فلسطین کے حالات کی تحقیقات
کر کے رپورٹ پیش کرنا تھا گزشتہ ۲۲ سال کے عرصے میں سترھواں کمیشن تھا۔

دسمبر ۱۹۴۵ء کے آخر میں "عرب لیگ" نے یکم جنوری ۱۹۴۶ء سے فلسطین میں یہودیوں کا مکمل تجارتی و اقتصادی بائیکاٹ کرنے کا اعلان کیا جس کے ساتھ۔ تمام عرب ممالک (مصر، شام، لبنان، عراق، شرق اردن، فلسطین، حجاز، سعودی عرب و یمن وغیرہ) نے ہمدردی کا اظہار کیا۔

آخر دسمبر ۱۹۴۵ء میں سید رمضان نے "برادران اسلام" نامی اس جمعیت سوسائٹی کی بیت المقدس میں شاخ کھولی جو خفیہ طور پر ۱۹۲۷ء سے مصر میں قائم ہے اور جس کا جماعتی مقولہ یہ ہے کہ "اللہ ہمارا راہ نما ہے، قرآن ہمارا قانون ہے اور مذہب کی حفاظت و بقا کی خاطر جان دینا ہمارا مقصد ہے" مصر میں اس عسکری سوسائٹی کے ارکان کی تعداد پانچ لاکھ سے زائد ہے، اور وہاں بیس لاکھ سے اوپر اس کے معاون و ہمدرد ہیں۔ ممالک لبنان، شام، فلسطین، شرق اردن اور عراق وغیرہ میں اس کی شاخیں کھل چکی ہیں۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء سے اس نے اپنا پروگرام کھلّم کھلّا پبلک کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اس کا صدر مقام مصر میں ہے اور اس کے قائد اعظم کا نام حسن بانا ہے۔

فلسطین کی موجودہ آبادی کی تعداد اٹھارہ لاکھ بتائی جاتی ہے جن میں سے عرب اور یہودی سب ملا کر دو لاکھ سے اوپر مرد آبادی مسلح ہے۔

دسمبر ۱۹۴۵ء میں حیفہ کا نصرانی رومن کیتھولک بشپ حکیم روم جا کر عیسائی دنیا کے پیشوائے اعظم پوپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس پر پوپ نے فلسطین کے عرب عیسائیوں اور مسلمانوں کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کیا۔ پوپ نے اس امر اپنی خوشنودی کا اعلان کیا کہ فلسطین میں عرب

"BEAUTY AND THE BEAST"
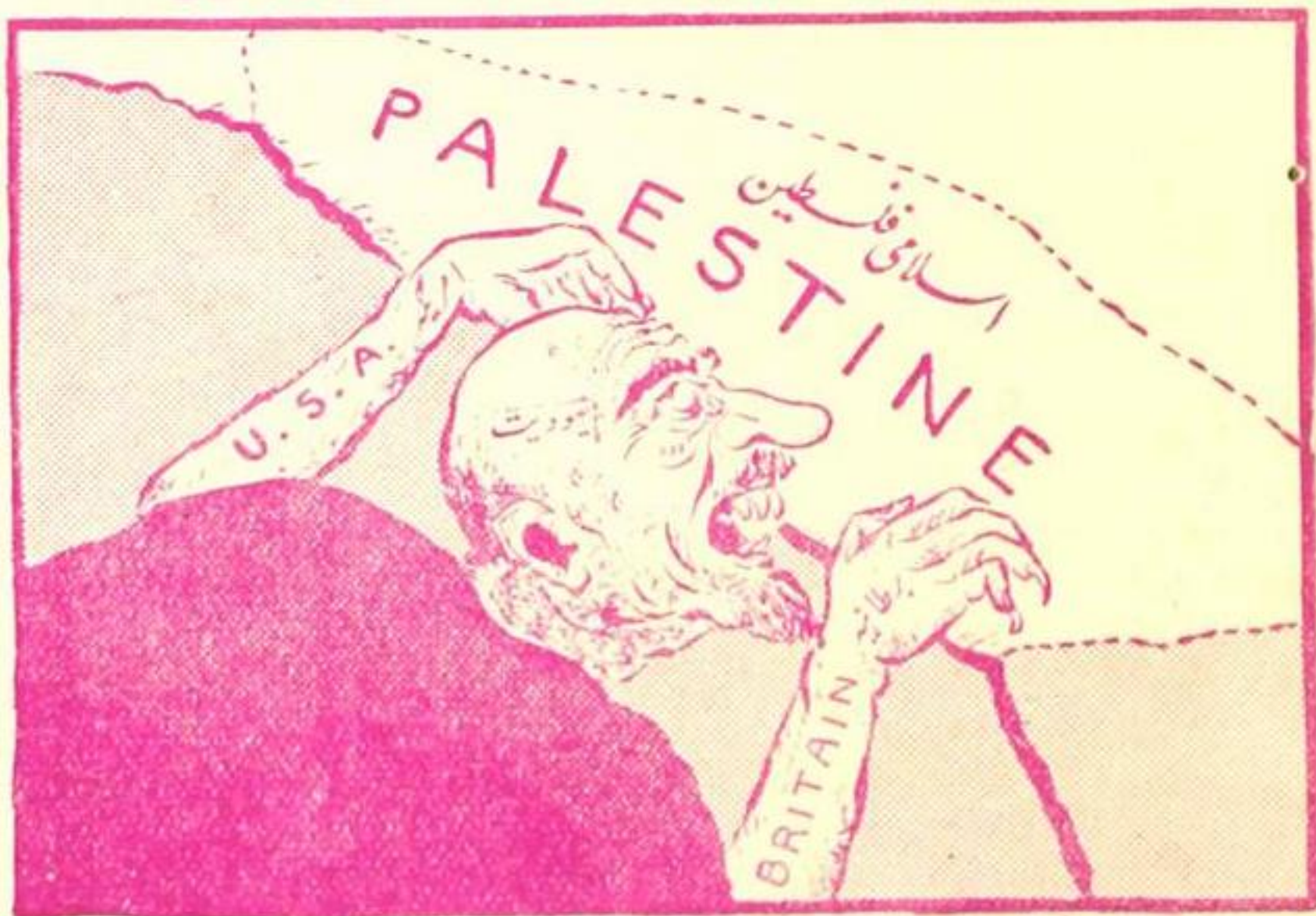
"اسلامی فلسطین عیسائیت کے دو زبردست چنگلوں اور یہودیت کے بتیس دانتوں کے درمیان"

منقولہ از اخبار ڈان دہلی ۲۶ اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ع

مقاماتِ مقدسہ کے محافظ ہیں۔

پوپ نے بیان کیا کہ "اعلان بالفور" کے وقت ہی سابق پوپ نے اس کے خلاف احتجاج کیا تھا جس کی نقل موجود ہے۔ بشپ حکیم نے یقین دلایا کہ پوپ کی طرف سے فلسطینی عربوں کے خلاف صیہونیت کی تحریک اور یہودیوں کو ہرگز بھی کوئی مدد نہیں ملیگی۔ پوپ نے فرمایا کہ وہ عربوں کی حمایت ترک نہیں کر سکتے چونکہ انھوں نے آج تک فلسطین میں نصرانی مقامات مقدسہ کی قابلِ تعریف حفاظت کی ہے۔

اینگلو امریکی فلسطینی کمیشن کی رپورٹ پر غور کر کے رائے دینے کے لئے یہودیوں اور عربوں کو ۲۰ جون سنہ ۱۹۴۶ء تک مہلت دی گئی۔ کمیشن مذکور نے فلسطین میں ایک مشترک عرب یہودی وطن کے قیام اور ایک لاکھ نووارد یہودیوں کے فوری داخلہ کی سفارش کی۔ یہودی ایجنسی اور اندرونی عمومی صیہونی کونسل کی مجالس عاملہ اور عرب مجلس اعلیٰ کے ارکان نے کمیشن مذکور کی رپورٹ کی مخالفت کی۔ اس درمیان میں افواہیں اڑیں کہ عربوں نے اپنی شکایات سوویٹ روس کے سامنے رکھی ہیں مگر اس کی تردید ہو گئی۔ امیر عبداللہ والئ شرق اردن، امیر عبدالالٰہ ریجنٹ عراق اور جمال حسینی، صدر، عرب مجلس اعلیٰ نے عربی فرمانرواؤں کے ایک مشترک اجلاس کی جد و جہد شروع کی۔

فلسطین کے یہودی غیر قانونی عسکری ادارے "ہگانا" کے جنگ آزماؤں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ بتائی گئی ہے اس کے مقابل کل عرب جنگ آزماؤں کا تخمینہ حسب ذیل طریقہ سے کیا جاتا ہے :-

مصر = پینتیس ہزار　　عراق = پچیس ہزار

شرق اردن = بیس ہزار　　شام ولبنان = پانچ ہزار

سعودی عرب = دس ہزار　　کُل پچانوے ہزار

یہودی ایجنسی نے سوئیڈن کو ایک ہزار چھ سو تین کمروں والے قابل انتقال مکانات کی تعمیر کا دس لاکھ پونڈ میں ٹھیکہ دیا ہے، جن کو سوئیڈن سے لاکر فلسطین میں نووارد یوروپی یہودیوں کے قیام کے لئے نصب کیا جائے گا۔

شاہ فاروق، والئ مصر، کی دعوت پر ۲۸ مئی ۱۹۴۶ء کو جدید قاہرہ میں "انکاس" کے مقام پر شاہی عمارات میں تمام عرب بادشاہوں، شاہزادوں اور امراء وغیرہ کی مجلس برپا ہوئی جس نے فلسطین میں صیہونی مسئلہ اور ایک لاکھ نووارد یوروپی یہودیوں کے فلسطین میں فوری داخلہ کے معاملہ میں غور وخوض کیا اور فلسطینی عربوں کی مدافعت و حفاظت کی تدابیر سوچیں۔ اس مجلس میں شاہ فاروق کے علاوہ سلطان ابن سعود والئ سعودی عرب کے ولی عہد امیر سعود، شرق اردن کے شاہ عبداللہ (جو مئی ۱۹۴۶ء میں برطانیہ کی جانب سے خود مختار بادشاہ تسلیم کئے گئے)، عراق کے ریجنٹ اور ولیعہد امیر عبدالالہ، لبنان کے صدر بشارہ الخوری، شام کے صدر شکری القوتلی، اور یمن کے فرمانروا امام یحییٰ کے ساتویں بیٹے سیف الاسلام نے شرکت کی۔ یہ موجودہ عہد کی نہایت یادگار تاریخی مجلس تھی۔ فلسطین کے علاوہ اس مجلس نے شمالی افریقہ میں سابق اطالوی اور فرانسیسی و اسپینی نوآبادیات کے مسائل پر بھی غور کیا، جو سرتاسر اسلامی علاقے ہیں۔ تنجیر سے وہاں کی قومی اصلاحی پارٹی کے رہنما عبدالخالق الطوریز نے عرب لیگ، قاہرہ، کے معتمد عمومی عبدالرحمن اعظم پاشا

کو لکھا کہ ثانی الذکر اس زبردست عرب مجلس میں فرانسیسی اور اسپینی مراکش کے عربوں کی نمایندگی کریں۔ شمالی افریقہ کے تمام اسلامی علاقے اپنے ممالک کو یورپی تسلط سے آزاد کرانے کے درپے ہیں۔

بیت المقدس میں "عرب مجلس اعلیٰ" کے بالمقابل ایک جدید "عرب اعلیٰ محاذ" قائم ہوا۔ ان دو کے علاوہ فلسطین میں دو اور عرب سیاسی ادارے "فلسطینی عرب آزاد پارٹی" اور "فلسطینی عرب اصلاحی پارٹی" ہیں۔ جن کے قاید بالترتیب عونی بے عبدالہادی اور ڈاکٹر حسین الخالدی ہیں۔ ان میں سے پہلی پارٹی یعنی جدید "عرب اعلیٰ محاذ" "مسئلہ فلسطین کو "یو این او" (U.N.O) کے سامنے رکھنے کی خواہشمند ہے۔

مندرجہ بالا سات عرب فرمانرواؤں (شرق اردن، مصر، سعودی عرب، یمن، شام، لبنان اور عراق) کی دو روزہ خفیہ سیاسی کانفرنس ۳۰ مئی ۱۹۴۶ء کو ختم ہوئی۔ کانفرنس مذکور نے فلسطین کے علاوہ شمالی افریقہ کے اسلامی ممالک اور مشرق وسطیٰ کے مسائل میں ایک واحد متحدہ پالیسی کا اعلان کیا۔ کانفرنس نے تہیہ کیا ہے کہ تمام عرب ممالک کو مکمل آزادی دلانے کی جدوجہد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائیگی۔ کانفرنس نے فلسطین کو ایک خالص عرب ملک تسلیم کیا۔

۱۹۴۶ء کے شروع ہی سے یہودیوں نے زبردست جارحانہ اقدامات شروع کئے۔ انھوں نے دن دھاڑے بنک لوٹے تل ابیب (TEL AVIV) بیت المقدس اور یافہ وغیرہ میں برطانی فوجیوں کو گولی سے مارنے اور زبردست ڈاکہ زنی اور دہشت انگیزی کا آغاز کیا۔ انھوں نے ریلوے لائن اکھاڑنے،

پُل اُڑانے اور فلسطین میں برطانی حکومت کا تختہ الٹنے کا نہایت منظم آغاز کیا
۱۸ جون ۱۹۴۶ء کو تل ابیب کے فوجی کلب میں دن دھاڑے۔ انھوں نے پانچ
برطانی فوجی افسروں کو پستول کے سامنے رکھکر اٹھا لیا اور موٹروں میں ڈال کر
چرا لے گئے۔

۲۶ جون ۱۹۴۶ء کو دمشق کے متصل بلودان کے مقام پر "عرب لیگ" نے
اپنے ایک خفیہ اجلاس میں ایک جدید متحدہ عرب لشکر کی فوری بھرتی کی تجویز کی اور
تمام عرب ممالک سے درخواست کی کہ وہ صیہونی یہودیوں کے مقابل فلسطینی عربوں
کی حفاظت و بقا کے لئے اس لشکر کو مسلح و تیار کریں۔

فی الحال فلسطین میں مختلف خفیہ سیاسی و عسکری یہودی ادارے ہیں جو سب کے سب
دہشت انگیزی و تشدد پر اُتر آئے ہیں اور برطانیہ اور عربوں کو دھمکا کر فلسطین میں
اپنی آزاد حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں یہ ادارے حسب ذیل ہیں:-

(۱) ارغون زوئی لومی (Irgun Zvai Leumi) یعنی خفیہ
قومی فوجی ادارہ جس کے ارکان کی تعداد دس ہزار سے اوپر ہے۔

(۲) اسٹرن گینگ (Stern Gang) جس کے ارکان کی تعداد ارغون
زوئی لومی سے تو کم ہے، مگر یہ زیادہ منظم اور زیادہ دہشت انگیز ادارہ ہے۔
اس کا کام صرف قتل و خون اور انتہائی سفاکی کے اعمال ہیں۔

(۳) ہگانہ (Hagana) جو یہودی ایجنسی کی مجلس عاملہ کا گویا عسکری
آلہ ہے۔ اس کی تعداد نوّے ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان ہے اس کے
ارکان نہایت آزمودہ جنگی سپاہی ہیں۔ اس کے علاوہ کئی اور یہودی فوجی

ادارے ہیں اور سب کے سب ایک واحد مقصد کی خاطر کام کر رہے ہیں یعنی فلسطین میں آزاد و خود مختار یہودی حکومت کا قیام اور عربوں کا استیصال، ان قومی اداروں کے پاس بے شمار آلاتِ جنگ کے خفیہ ذخائر ہیں اور وہ ہر قسم کے جنگی اسلحہ سے مسلح ہیں۔ ان کا ہر رکن جملہ جدید ترین آلاتِ جنگ کے استعمال سے بخوبی واقف ہے۔ فلسطین کے اندر یہ اپنے اسلحہ ڈھالتے ہیں اور اکثر برطانی جنگی ذخائر پر چھاپے مار کر ہتھیار اٹھا لیجاتے ہیں۔ ارغون زدئی لومی کے خفیہ ریڈیو کا نام "صوتِ صیہون" (Voice of Zion) ہے، جس سے یہودی اپنا پروپیگنڈا نشر کرتے رہتے ہیں اور برطانیہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ فلسطین میں درحقیقت یہودی اپنی متوازی حکومت چلا رہے ہیں اور برطانیہ ان کے سامنے محض بے بس و مجبور ہے۔ لفٹننٹ جنرل سر ایلن کننگھم آجکل فلسطین میں برطانی ہائی کمشنر ہیں۔ فلسطین کے موجودہ یہودی اعلیٰ ربی ڈاکٹر اسحاق ہرزوگ (Dr. Issac Herzog) ہیں۔ اور لندن میں وزیر نوآبادیات (موجودہ لیبر گورنمنٹ کے) مسٹر جارج ہال "George Hall" ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ (U.S.A.) میں ہر شخص صدر جمہوریہ امریکہ سے لے کر معمولی آدمی تک فلسطینی عربوں کے خلاف یہودیوں کے موافق ہیں۔ ۳ جولائی ۱۹۴۶ء کو امریکہ سے خبر آئی کہ وہاں کے یہودی فلسطینی اور دیگر عربوں کو کروڑوں ڈالر کا قرضہ دینے کو تیار ہے تاکہ عرب اپنی اقتصادی حالت کو درست کر سکیں۔ یہ گویا فلسطین پر قبضہ کرنے کے لئے عربوں کو رشوت دیجا رہی ہے مگر عرب اب کافی ہوشیار ہو چکے ہیں وہ اب آسانی سے دھوکے میں آنے والے نہیں ہیں۔

۳۱ جولائی سنہ ۱۹۴۶ء کو لندن سے خبر آئی کہ برطانی اور امریکی مدبران نے فلسطین کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یعنی ایک اندرونی طور پر آزاد یہودی ریاست ایک اندرونی طور پر آزاد عرب ریاست، بیت المقدس کا ضلع اور ضلع نجب، مگر عرب اور یہودی دونوں اس تقسیم پر ہرگز راضی نہیں ہیں۔

متعدد یہودی قاتل دہشت انگیزی کے الزام میں گرفتار ہو کے برطانی کورٹ مارشل کے سامنے آئے اور سزائے موت پائی۔ مگر ہگانہ اور الیسٹرن گینگ (Stern Gang) نے ریڈیو اور اپنے اخبار "حماص" کے ذریعہ سے برطانیہ کو تنبیہ کی کہ اگر ان یہودیوں کو سزائے موت دی گئی تو فلسطین میں کوئی انگریز زندہ نہ چھوڑا جائے گا چنانچہ برطانیہ نے خوف کھا کر سزائے موت مسترد کر دی۔ یہ ہے برطانیہ کا کھلا ہوا انصاف اور اس کی بہادری۔

اس درمیان میں یہودیوں نے بیت المقدس میں داؤد ہوٹل کو بمب سے اُڑا دیا اور بے شمار برطانی فوجی دکشوری حکام مارے گئے۔ اگست سنہ ۱۹۴۶ء میں برطانیہ نے ایک گول میز کانفرنس کا اعلان کیا اور یہودیوں اور عربوں کو شرکت کی دعوت دی مگر "یہودی ایجنسی" اور "عرب مجلس اعلیٰ" نے شرکت سے انکار کر دیا۔ پھر بھی کانفرنس لندن میں ماہ ستمبر سنہ ۱۹۴۶ء کے آخر میں منعقد ہوئی اور اس میں فلسطین کے علاوہ دیگر عربی ممالک اور "یہودی ایجنسی" کے علاوہ دیگر یہودی اداروں کے نمایندے شریک ہوئے۔ سابق مفتی اعظم حضرت الحاج امین الحسینی آج کل اسکندریہ (مصر) میں مقیم ہیں۔ (اکتوبر سنہ ۱۹۴۶ء)

شبیہ مبارک الحاج امین الحسینی مفتی اعظم بیت المقدس

(سوانح حیات)

حضرت الحاج امین آفندی الحسینی

سابق مفتیٔ اعظم، بیت المقدس (فلسطین) عمر تقریباً پچاس سال، تعلیم قاہرہ بیت المقدس اور قسطنطنیہ میں پائی۔ ۱۹۲۱ء میں اپنے بھائی کی جگہ مفتی مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں اسلامی مجلس اعلیٰ کے صدر بنائے گئے۔ ۱۹۳۱ء میں بیت المقدس میں مؤتمرِ اسلامی کی صدارت کی۔ آپ نے جنگ عظیم اوّل میں ترکوں کے خلاف انگریزوں کی حمایت کی تھی، مگر پھر فلسطین میں تحریک صیہونیت اور برطانیہ کی بدعہدی و احسان فراموشی کے باعث ان سے بگڑ گئے اور اُس وقت سے آج تک کہ قریباً ستائیس سال ہوتے ہیں، آپ فلسطین میں یہودی نو واردوں کے داخلے کے خلاف برطانیہ اور یہودی دنیا کے مقابل صف آرا ہیں اور اس مسئلہ میں تمام عرب بلکہ کل اسلامی دنیا آپ کے پیچھے ہے۔ برطانیہ نے آپ کو دس سال کی سزائے قید دی تھی مگر پھر منسوخ کر دی۔ آپ فلسطین میں "عرب پارٹی المعروف بہ "مفتی پارٹی" کے روح رواں ہیں۔ آپ ۱۹۳۷ء میں بیت المقدس میں عرب مجلس اعلیٰ کے دوبارہ صدر منتخب کیے گئے۔ بعد ازاں فلسطین سے جلا وطن کر دیئے گئے اور شام میں مقیم رہے۔ فروری ۱۹۳۹ء میں لندن میں جو کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس کے عرب مندوبین آپ کے منتخب کردہ تھے۔

حضرت امین آفندی جنگ عظیم ثانی کے دوران میں جرمنی میں مقیم رہے اور بعد از جنگ انگریزوں نے آپ کو بھی اپنے جنگی دشمنوں میں شمار کیا اور آپ کی گرفتاری کے خواہش مند ہوئے۔ انگریزوں کا بیان ہے کہ آپ قریباً تین سال تک اتحادیوں کے

خلاف محوریوں کے شریک رہ کر مشرق قریب کے ممالک میں اتحادیوں کے بالمقابل سازشوں میں منہمک رہے اور عرب ممالک میں اتحادیوں کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکاتے رہے۔ آپ کے دشمنوں کا آپ پر یہ الزام ہے کہ آپ سابق وزیر اعظم عراق، راشد علی الگیلانی (جو آجکل مکہ میں سلطان ابن سعود کی پناہ میں ہیں) کے جنھوں نے مئی ۱۹۴۱ء میں ہٹلر کے اشارے سے، بغداد میں اتحادیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا ہمکار رہے ہیں۔

حضرت امین الحسینی برلن سے منتقل ہو کر روم میں مقیم رہے اور اتحادیوں کے لئے سیاسی دشواریاں پیدا کرتے رہے، پھر راشد علی، سابق وزیر اعظم عراق نے جب اتحادیوں کے خلاف بغاوت کی، اسوقت یعنی شروع ۱۹۴۱ء میں آپ بھی بغداد تشریف رکھتے تھے اُس زمانے میں ہٹلر سے گفت وشنید کرنے کے لئے آپ کا نمایندہ کمال حدّاد تھا جس نے جرمنی سے ریڈیو کا ایک آلۂ نشر لاکر بغداد میں آپ کو پہنچایا تھا جب انگریزوں نے، راشد علی کی بغاوت کی ناکامی کے باعث، دوبارہ بغداد پر قبضہ کر لیا تو مفتیٔ اعظم مرحوم وہاں سے فرار ہو کر ایران پہنچ گئے اور طہران کے جاپانی سفارتخانے میں روپوش رہے۔

آپ جون ۱۹۴۶ء تک پیرس میں فرانسیسی پولس کی زیر نگرانی مقیم رہے مگر جون ۱۹۴۶ء کے پہلے ہفتے میں آپ بذریعہ ہوائی جہاز وہاں سے فرار ہوئے اور مصر پہنچ گئے اور انگریز مُنہ دیکھتے رہ گئے۔ آجکل (اکتوبر ۱۹۴۶ء) آپ اسکندریہ میں شاہ فاروق والیٔ مصر کی پناہ میں مقیم ہیں، جہاں سے آپ فلسطینی عربوں کی یہودیوں کے خلاف رہنمائی کر رہے ہیں۔ دنیائے اسلام میں آپ کا نام عزّت واحترام سے لیا جاتا ہے۔